فکر حسین علیہ السلام کی الف ب

ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی

مركز الثقافة الإسلامية

١٤٠٣هـ

ROUND TABLE DINIYAT COMMITTEE
KHARADAR
KARACHI
1414 H.

حسن علی بک ڈپو
بڑا امام باڑہ ، کھارادر
کراچی 74000 فون 2433055

نام کتاب ——————— فکرِ حسینؑ کی الف ب

تالیف ——————— محمد رضا صالحی کرمانی

ترجمہ ——————— مولانا اسد علی شجاعتی

ناشر ——————— دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول ——————— ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۵ء

طبع دوم ——————— ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ جون ۱۹۹۳ء

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

فہرست

مقدّمہ	۹
زندگی	۱۳
اس حادثہ کو امام حسینؑ نے زندگی بخشی	۲۰
مادر گرامی	۲۱
پدر بزرگوار	۲۳
ولادت	۲۶
فکروں کا اختلاف	۳۱
مذہب کی ابتدائی سرحد	۳۲
عدل و انصاف کی تربیت	۳۵
گناہ پھیل چکا تھا	۳۶
یزید کون؟	۳۷
اسلام کے ابھرنے کا راز	۳۹
ایک بڑی جنگ شروع ہوتی ہے	۴۲

ابو سفیان، مسلمان بن جاتا ہے ۴۹

معاویہ، شام میں ۵۵

یزید، خلیفہ کی حیثیت سے ۵۹

حادثہ کا آغاز ۶۹

عدل و انصاف کی موت ۷۷

تاریخ، دوراہے پر ۸۲

سرد جنگ ۸۳

مدینہ میں ہیجان ۸۷

حسینؑ مکہ میں ۹۱

بصرہ میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے ۹۵

حسینؑ کا سیاسی لائحہ عمل ۹۹

خوں رنگ دوربین ۱۰۱

محمد حنفیہ حسینؑ کی خدمت میں ۱۰۴

مختلف شخصیتیں حسینؑ سے ملاقات کرتی ہیں ۱۰۷

اور یہ ہے وہ راز ۱۱۲

قافلہ کوچ کرتا ہے ۱۱۷

قربان گاہ کی طرف ۱۳۱

حسینؑ کے باقی ماندہ عزیزوں کی ذمہ داری ۱۳۲

مسلمانوں پر حکومت کی بات ۱۳۳

کوفہ، انقلاب کے آستانے پر	۱۳۷
کوفہ، حسین ابن علیؑ کو دعوت دیتا ہے	۱۳۹
دعوت نامہ لکھا گیا	۱۴۰
انقلاب اور رہبری کا مسئلہ	۱۴۵
مسلم، کوفہ میں	۱۵۱
خطرے کا لمحہ	۱۶۲
ابن زیاد کو کوفہ بھیج دیا	۱۶۶
فرمان	۱۶۹
کوفہ کا چہرہ تبدیل ہو جاتا ہے	۱۷۲
ابن زیاد قتل کا بازار گرم کرتا ہے	۱۷۷
سب سے پہلی خطرے کی گھنٹی	۱۸۳
تیسرا شہید	۱۸۷
پردے ہٹ جاتے ہیں	۱۹۱
سب سے پہلی مڈبھیڑ	۱۹۷
دشمن کے مقابل	۲۰۱
جوانوں کیلئے موت کوئی عار نہیں	۲۰۷
کوفہ سے ایک تازہ خبر	۲۱۳
کربلا میں آمد	۲۱۶
کربلا سرزمین موعود	۲۱۹

حر کا استعفا	۲۲۰
عمرِ سعد، نیا سپہ سالار	۲۲۴
خون، وحشت، جنگ	۲۳۵
ایک بڑا اشتباہ	۲۴۱
اسیروں کا قافلہ	۲۴۵
کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے	۲۴۹
کھوکھلی قوت	۲۵۶

تقدیم

اے میرے پدر!

میں تیری خدمت میں یہ کتاب پیش کر رہا ہوں۔ تو نے مجھے مکتبِ حسینؑ سے آشنا کیا۔ آفتابِ حسینیؑ کی کرنیں مجھ تک پہنچائیں۔

تیری ہی خدمت میں

اے پدر!

تو نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔ تو نے اپنی پدرانہ دعائیں مجھے دے کر اپنے بیٹے کی زندگی کے لئے بہترین اور مضبوط ترین بنیاد فراہم کی۔

میں اس کتاب کو

ستم کے خلاف انقلابوں کے مقدّس بانی

حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام

کے نامِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں۔

اور اپنے پدرِ بزرگوار

حضرت آیت اللہ صالحی کرمانی

کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مُقدّمہ

محرم .....

یادوں کو تازہ کرنے کا مہینہ .....

اور یادیں بھی ایسی یادیں جو اثر انگیز، پر شکوہ اور پر افتخار ہیں۔

چودہ صدی پہلے اس مہینہ میں ایک ایسا حادثہ وجود میں آیا تھا جو نہ صرف یہ کہ یادوں سے محو نہیں ہوا ہے بلکہ جس کے شکوہ اور جس کے جلال میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔

چودہ صدی پہلے .....

یہ کوئی کم عرصہ نہیں ہے ..... ایک ہزار اور چار سو سال کا عرصہ ہے۔

اتنا لمبا عرصہ ہے اور اتنا بڑا عرصہ ہے کہ حادثہ کو ہضم کر لیتا ہے اور ہر حادثہ کو یادوں سے محو کر دیتا ہے۔

وقت کے مقبرہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ حوادث اور واقعات کے جسموں کو اپنے اندر بوسیدہ کر دیتا ہے۔ ان کی شان و شوکت ہڈیوں کا برادہ بن جاتی ہے۔ ان کا اثر اور ان کا احساس بالکل ختم اور بے نام و نشان ہو کر رہ جاتا ہے۔

حادثہ خواہ کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو، وقت کے سمندر میں ڈوب ہی جاتا

ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ تاریخ میں اس کا پھیکا سا تذکرہ باقی رہ جاتا ہے۔ وہ تذکرہ بھی رفتہ رفتہ پرانا ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ نئے حادثات اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔

اے عاشورا! تو کیا ہے؟

تقریباً چودہ سو سال پہلے تو ایک دور دراز کی سرزمین پر' ایک خشک ریگزار پر جہاں حیات کا نام و نشان نہ تھا۔ چند گھنٹوں کے لئے سورج کی طرح چمکا۔ لیکن ایسا چمکا کہ ہمیشہ کے لئے تیری روشنی سارے عالم میں پھیل گئی۔

مادی قوانین کی حدود سے آگے بڑھ گیا اور زمان و مکان پر حاکم ہو گیا۔

وقت جیسی نیست و نابود کر دینے والی چیز تیرے آگے سرنگوں ہو گئی۔

تو نے دشت و دیار کو عبور کیا' پہاڑ' دریا' سمندر' سب کو پار کر گیا اور سارے عالم میں جہاں جہاں انسان رہتے تھے وہاں وہاں تو پہنچ گیا۔

اے عاشورا! تو کیا ہے؟

تو نے جسم کی حدود کو پار کر لیا اور انسان کی روح تک پہنچ گیا۔ دلوں کو مسخر کر لیا۔ دلوں کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ لاکھوں آزادی کے خواہشمند لوگوں کے احساسات پر حاکم ہو گیا۔

اے عاشورا! تو کیا ہے؟

تیرے اتنے سارے شیفتہ و شیدا ہیں۔ تیرے اتنے سارے لوگ گرویدہ ہیں۔ تیرا نام دلوں کی حرکت کو تیز کر دیتا ہے۔ تو لوگوں کو شجاعت اور دلیری بخشتا ہے۔ تو ان کے لئے الہام بن جاتا ہے۔

تو ہر ستم کے مقابلے میں کوئی نہ کوئی ستم شکن تیار کر دیتا ہے۔ یہ تیرا ہی

تو درس ہے کہ جو سارے عالم میں روزانہ پڑھا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ تو نے بڑے چھوٹے ہر قسم کے تمام ظالموں کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔

یہ تیری مقدس آواز ہی تو ہے کہ جو صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی کبھی مظلوم سیاہ فام انسانوں کی سرزمین افریقہ میں گونجتی ہے' تو کبھی ایشیاء کے استعمار زدہ مظلوم عوام کو جوش دلاتی ہے۔

یہ تو ہی تو ہے کہ جو ستم کا مقابلہ کرنے کے لئے مجاہد تیار کرتا ہے۔

یہ تو ہی تو ہے کہ جو افکار کو روشنی دیتا ہے تاکہ اس روشنی میں ظلم کے سیاہ چہرے کو دیکھا جا سکے۔ تو ہی تو بازوؤں کو طاقت بخشتا ہے تاکہ ظلم کے پیکر پر کاری ضربیں لگائی جا سکیں۔

اے عاشورہ! تو کیا ہے؟ اور تیرا ہیرو کون ہے؟

بول ..... اپنے عظیم ہیرو کو ہمیں پہچنوا دے۔

وہی کہ جس نے تجھ کو زندگی بخشی اور تجھے زندہ و جاوید کر دیا۔

اے عاشورا کے عظیم ہیرو!

اے عاشورا کے پر جلال معرکہ کے روح رواں!

اے حسینؑ! تو کون ہے؟

تیرے نام کے گرد ایک غم کا ہالہ بھی ہے۔ تیری داستان آنکھوں کو کیا دلوں کو رلا دیتی ہے۔ تیرا ماہِ محرم لاکھوں مردوں اور عورتوں کے چہرۂ حیات اور زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیتا ہے۔

تو کون ہے؟

تو نے ظلم کے آئین کو توڑ دیا۔ ظلم اور ظالم کے خلاف لوگوں کے دلوں

میں نفرت اجاگر کردی اور ایک عظیم اور جاودانی مکتب اور فکر کی بنیاد رکھی۔

ایسا مکتب جو درس عشق دیتا ہے۔ فداکاری اور جانثاری کے طریقے سکھاتا ہے، ایثار اور جانبازی کی تعلیم دیتا ہے۔

اور ایسا نہیں ہے کہ تو محض انسانوں کی نجات کے لئے ہی اٹھ کھڑا ہوا' اپنے گرامی خاندان کو اسی لئے فدا کردیا اور اپنے چھوٹے بڑے بچوں کو اسی کی خاطر موت اور شہادت کا استقبال کرنے کے لئے بھیج دیا۔ یہ سب کچھ تو نے محض انسان کی نجات کے لئے نہیں بلکہ انسانیت کی نجات کے لئے کیا۔

محض مسلمانوں کی نجات کے لئے نہیں' اسلام کی نجات کے لئے کیا۔

تو چاہتا تھا کہ لوگوں کی گردنوں سے یزید کی غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں' اگرچہ کہ اس راہ میں تیرے بچوں کی گردنیں ہی کیوں نہ کٹ جائیں۔

تو چاہتا تھا کہ یزید کے ظلم کی تلوار مظلوموں کی گردنوں پر سے ہٹ جائے' خواہ اس راستے میں خود تیری اور تیرے دوستوں کی گردنیں کٹ جائیں۔

تو چاہتا تھا کہ عدالت اور عدل و انصاف کے پیاسوں کو سیراب کردے اس راستے میں تو خود پیاسا ہی شہید ہوگیا۔

اے حسینؑ!

انسانیت تجھ پر فدا ہو کہ تو نے خود کو انسانیت پر فدا کردیا۔

ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی

(تہران)

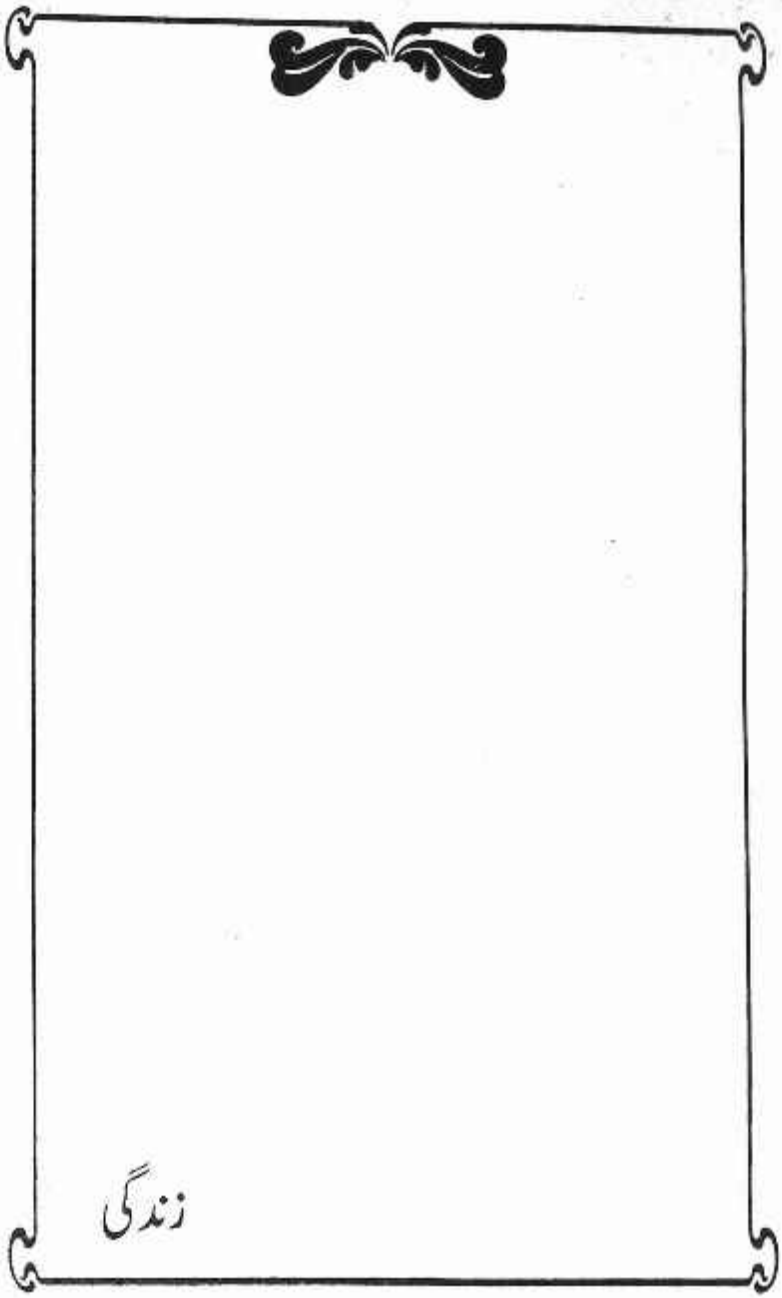
زندگی

حسین علیہ السلام ملت اسلام کے لئے محض پیغمبرؐ کے نواسے نہیں ہیں ان کی عظمت صرف اس میں نہیں ہے کہ وہ ہمارے پہلے امامؑ کے بیٹے ہیں بلکہ ان کی بزرگی اس کے علاوہ اس میں ہے کہ وہ خود امامؑ ہیں، پیشواء ہیں، عظیم ہیں، دین کا ایک بڑا سرمایہ ہیں اور ہمیں بہت کچھ سکھانے والے ہیں۔ وہ دین کا ایک ایسا سرمایہ ہیں کہ کسی بھی ملت اور کسی بھی جمعیت و گروہ کے پاس ایسا معنوی خزانہ موجود نہیں ہے۔ وہ سرمایۂ عظمت ہیں، سرمایۂ شرف و بزرگی ہیں۔ وہ ایک ایسا سرمایہ ہیں کہ جن کی زندگی کے سرخ صفحوں پر مسلم قومیں عظمت و بزرگی، قربانی و فداکاری اور ظلم و ستم کے آگے نہ جھکنے کا سبق پڑھ سکتی ہیں۔ لیکن بدبختی یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک اس پرجلال اور عظیم معنوی سرمایہ کو صحیح طور پر نہیں پہچانا ہے اور اس سے ضروری استفادہ نہیں کیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے انسانیت کو ظالم و جابر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا سکھایا اور وہ امام حسین علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے عملی طور پر بھی یہ اعلان کیا کہ:

ان الحیاۃ عقیدہ و جہاد

"زندگی تو بس عقیدہ اور جہاد کا نام ہے"

زندگی عقیدہ اور عقیدہ کی راہ میں جہاد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اسی عظیم قول کے مطابق اپنی سرخ زندگی کا' خونی رنگ کی زندگی کا آغاز کیا۔

بطورِ کلی کسی شخصیت کو پہچاننے کے لئے اس کی فکر کی الف بے کو سمجھنا چاہئے۔ اس کی روح کے پائے کو سمجھنا چاہئے۔

عظیم لوگوں کی درخشاں شخصیتوں نے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے۔ وہ صرف اوپر ہی سے دیکھ کر رہ جاتے ہیں اور ان کی روح کو نہیں سمجھ پاتے۔ تاریخ کا غبار آلود اور میلا آئینہ اتنی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ شخصیتوں کی روح کی تجلیوں کو ظاہر کرے۔ تاریخ کسی شخصیت کی زندگی' موت اور اس کی زندگی کے چند ایسے خشک واقعات جن میں کوئی روح نہ ہو' بیان کرتی ہے۔ روح کو پیش کرنا اور روح کے نقش ابھارنا یہ تاریخ کا کام نہیں ہے۔ یہاں پر کسی اور قلم و بیان کی ضرورت ہے۔ یہاں پر ایک خاص عینک آنکھ پر لگانی ہوتی ہے۔ ایسی عینک جو اعلیٰ شخصیتوں کے روشن سایوں کو بھی دیکھ سکے۔ جو ان کی فکر کے نمایاں اور جاندار خطوط کو بھی دیکھ سکے۔ ایسے خطوط اور ایسے نقوش جو واقعات کو زندگی بخشتے ہیں اور جو شخصیتوں کو بناتے ہیں۔

تاریخ' حسین ابن علی علیہ السلام کی شخصیت کے سایوں کو پیش کرتی ہے' خود شخصیت کو پیش نہیں کرتی۔ واقعات بیان کرتی ہے مگر ان کے پیچھے جو مقصد چھپا ہے اس کو بیان نہیں کرتی۔ کیا کچھ ہو گیا' اس کو تفصیل سے پیش کر دیتی ہے۔ کس لئے ایسا کیا اس کو تفصیل سے پیش نہیں کرتی۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم

تاریخ کے دالان میں اتریں، مگر وہیں رک نہ جائیں۔ واقعات کو دیکھیں لیکن ان واقعات کی روشنی میں ان کی روح تک اور ان کے اسباب تک پہنچیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو تاریخ ہمارے لئے ایک درس اور سبق ثابت نہیں ہو گی۔

امام حسین علیہ السلام کی زندگی کی تاریخ صرف انہی لوگوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے جو اس کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور روح کا مشاہدہ کریں۔ اس میں فضیلت، تقویٰ، شجاعت اور ایثار و فداکاری کو دیکھیں۔ اس نمونۂ عمل کو دیکھنے سے خود ان کی روح سنور جائے گی۔

بدبختی یہ ہے کہ ہم ابھی تک تاریخ کی حدود سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ صرف امام حسین علیہ السلام کی زندگی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی سبق آموز زندگی سے آشنا نہیں ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان کو اچھی طرح سے جانتے ہوتے تو ان کی روح کی عظیم تجلی یعنی داستان کربلا کو صرف گریہ و زاری کی غرض سے نہیں دیکھتے۔ اگر ہم ان کی روح کی الف ب سے واقف ہوتے اور اچھی طرح واقف ہوتے تو اس طرح پس ماندہ اور بے چارہ نہ ہوتے۔

اگر ہم واقعاً حسین ابن علی علیہ السلام کی ستاون (۵۷) سالہ زندگی کو اپنے لئے درس اور سبق بنا لیتے تو آج ہماری حالت بہتر ہوتی۔

حقیقت میں ہم مقصدِ حسین علیہ السلام کو بھول بیٹھے ہیں۔ ہم ان کے رویے کو اور ان کے کام کرنے کے اعلیٰ طریقوں کو فراموش کر چکے ہیں۔

انہوں نے اپنی زندگی میں لوگوں کو یہ بتایا کہ کس طرح ہر حال میں حق و

عدالت اور فضل و فضیلت کا ساتھ دیا جائے' کس طرح ظلم اور ظالم کے خلاف اٹھا جائے اور کس طرح جانبازی اور فداکاری کے راستے پر چلا جائے۔ وہ حق کے پرچار کے لئے ظلم کو جڑ سے کاٹنے کے لئے اور مسلمانوں کو خاندان بنی امیہ جیسے ظالموں کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے اس طرح مردانہ وار میدان میں اترے کہ ان کو یہ سب مقاصد حاصل ہو گئے۔

انسان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ فضیلت اور تقویٰ کا دم بھرتا ہے۔ سب ہی لوگ خود کو حق و عدالت کا طرفدار سمجھتے ہیں۔ لیکن سب کے سب اس بات میں سچے نہیں ہوتے۔ امتحان کا وقت ایک ایسے دوراہے کا سرا ہے جہاں پر ان کا راستہ' حق اور فضیلت کے راستہ سے جدا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ موقعہ ہوتا ہے جب سچے لوگ اور جھوٹے لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ دکھاوا کرنے والے لوگ سچے دل سے کہنے والے لوگوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

یہ بات جو ہم نے کہی یہ خود حسین علیہ السلام کا قول ہے۔

وہ خود بھی تو ہر امتحان کے موقع پر سربلند اور پرافتخار رہے تھے۔

اگر وہ چپ بیٹھے رہتے' اگر وہ سکوت اختیار کر لیتے تو سب کچھ ان کے لئے آمادہ تھا۔ وہ محفوظ رہ سکتے تھے۔ ان کا خاندان آرام اور چین سے زندگی گزار سکتا تھا۔ لیکن وہ دوراہے پر پہنچ چکے تھے' وہ بخوبی دیکھ رہے تھے کہ اگر اپنی حفاظت کریں گے تو اسلام کی حفاظت رہ جائے گی۔ وہ چاہتے تو اپنی جان بچا سکتے تھے' لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ اس طرح اسلام کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ پس انہوں نے بلا جھجک اپنے لئے راستہ چن لیا۔ انہوں نے حق و

عدالت کو خود پر ترجیح دی' وہ اسلام اور مسلمانوں کی نجات کی خاطر ایسے میدان میں چلے گئے جہاں ان کی افسوس ناک موت یقینی تھی۔ خطرناک سے خطرناک موقعہ پر بھی ان کی روح مضطرب نہیں ہوئی' ان کا ارادہ متزلزل نہیں ہوا اور انہوں نے موت کو اپنے لئے سعادت سمجھا۔ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے اور چونکہ موت سے نہیں ڈرتے تھے اس لئے ذلت کی زندگی کو نہیں اپنایا۔ وہ اپنی بات کو دوٹوک کہہ دیتے تھے اور مجمل اور مبہم باتیں نہیں کرتے تھے۔

جس وقت والیٔ مدینہ ولید نے ان سے یزید کی بیعت کرنے کو کہا' انھوں نے بغیر کسی جھجک اور خوف و ہراس کے انتہائی صراحت سے کہہ دیا کہ:

"اسلام سلامت رہے۔ اب امت (کا گلہ) یزید جیسے چرواہے سے پریشان ہے۔"

یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اسلام کو بنیادوں سمیت منہدم کرنے کے مترادف تھا۔۔۔ امام حسین علیہ السلام کس طرح ایسی منحرف اور بے صلاحیت حکومت کو تسلیم کر سکتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف اس کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کا تختہ الٹنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

جب امام حسین علیہ السلام کو مدینہ میں یزید سے بیعت کی پیشکش ملی اور انھوں نے دیکھا کہ یزید کی پلید حکومت ان سے کیسی شرم آور توقع رکھتی ہے' تو انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے اس خوفناک اور مہلک سرطان کو جلد از جلد پیکرِ اسلام سے جدا کرنے اور بنی امیّہ کی کثیف اور ظلم و ستم سے بھرپور حکومت کی حیات کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

انہوں نے اس خطرناک لیکن مقدّس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے

عجیب انتظام کیا۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فوجی اعتبار سے وہ اس طاقتور اور ظالم حکومت کا قلع قمع نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کوئی ایسی راہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے منزل تک پہنچ جانا سو فیصد یقینی ہو۔

اس لئے امام حسین علیہ السلام نے ایک اور طریقہ اپنایا۔ انتہائی اچھا لیکن بہت ہی مہنگا اور خطرناک طریقہ

امام حسین علیہ السلام کا طریقہ ایک ایسی اساس پر تھا کہ دنیا نے آج تک اس کی مثال نہیں دیکھی ہے۔

داستانِ کربلا کی جتنی بھی عظمت ہے' امام حسین علیہ السلام کے مقدس آستانہ کا جتنا بھی احترام ہے وہ سب کچھ اسی بے مثال اساس کی وجہ سے ہے۔

جس چیز نے امام حسین علیہ السلام کو زندہ جاوید انسان بنا دیا ہے اور لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ محض وہی ان کا ہدف اور مقصد نہیں ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا ہدف غلامی' ظلم' من مانی اور چند سرکش لوگوں کے احکامِ دین سے انحراف کرنے کے خلاف جہاد تھا اور چونکہ انسانیت بھی اپنے ہدف کو ان کے ہدف میں ملا ہوا دیکھتی ہے۔ اس لئے ان سے عشق کرتی ہے۔ لیکن جس چیز نے امام حسین علیہ السلام کو انسانیت کی معراج پر پہنچا دیا ہے اور جس چیز نے انسانوں کے دلوں میں ان سے جنون کی حد تک عشق پیدا کر دیا ہے وہ وہی اساس ہے کہ جسے انہوں نے ہدف تک پہنچنے کے لئے استعمال کیا۔

آیئے واقعاتِ کربلا اور صحیح تاریخی اسناد کی روشنی میں امام حسین علیہ السلام کے جہاد کی اس اساس کو اور ان کی روح کی روش کو دیکھیں۔

اس حادثہ کو امام حسین علیہ السلام نے زندگی بخشی

ایک ہزار تین سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے کہ ایک خشک اور بنجر زمین پر ایک ایسا حادثہ پیش آیا۔ جسے بعد میں عاشورا کا نام دیا گیا اور اسی نام سے اس نے عرصۂ تاریخ میں قدم رکھا اور آخرکار آزادی کے دلدادہ لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے بس گیا۔

اور وہ امام حسین علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس حادثہ کو دائمی زندگی بخشی۔

جی ہاں حسینؑ علیؑ کے بیٹے، ابو طالبؑ کے پوتے اور رسول خداؐ کے نواسے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ دو عظیم یادگاریں چھوڑ گئے۔

ایک اسلام ..... ایک نیا بنیادی آئین جس نے انسان کی نادانی کی تاریکی میں ایک روشن اور بہترین معاشرتی نظام، معاشرہ کو دیا اور ایک جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہاؑ ایک ایسی بیٹی جس کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں۔

ان دونوں یادگاروں کا ایک دوسرے سے اٹوٹ ربط تھا۔ گویا کہ اسلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا دو عظیم ذخیرۂ الٰہی تھے جن میں سے ہر ایک دوسرے کو مکمل کر رہا تھا۔

اسلامؑ فاطمہؑ اور ان کے بیٹے کے بغیر ایسا تھا جیسے باغبان کے بغیر پھول یا پھر ایسی کشتی کی مانند جس کا کوئی ناخدا نہ ہو۔ جب تک کہ باغ کے رکھوالے کا

ہاتھ پھول کے لطیف مزاج کو نہ سنوارے وہ پھولتا پھلتا نہیں۔ اسی طرح کشتی بغیر ملاح اور ناخدا کے ساحل اور سلامتی پر نہیں چل سکتی اور کشتیٔ اسلام کی رہنمائی کا عظیم کام فاطمہؑ اور ان کے بیٹوں کے سپرد تھا۔

یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے شجرِ اسلام کے آبیاری کی۔ کشتیٔ اسلام کی رہبری کی اور رہنمائی کی۔

مادرِ گرامی

فاطمہ سلام اللہ علیہا اسلام کے پیغمبرِ عالیٔ مقام کی اپنی مثال آپ بیٹی تھیں۔ ان کا رتبہ بہت ہی بلند اور عالی تھا۔ ان کے کمال کو اور ان کے رتبہ کو ان کے ناموں اور ان کے القاب سے پہچانا جا سکتا ہے۔

فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ اور زہراؑ

فاطمہؑ اس لئے کہا گیا کہ وہ برائیوں اور خامیوں سے دور تھیں۔

سچ بولتی تھیں، معصوم تھیں اور گناہوں سے دور تھیں، اس لئے ان کو صدیقہ کہا گیا۔

ان کے معنوی کمالات اور علم و فضل کی برکتوں کی طرف "مبارکہ" کا لقب نشاندہی کرتا ہے۔

وہ پاک و پاکیزہ تھیں۔ جسمانی اور روحانی ہر قسم کے عیوب سے پاک اور ان کی اسی خصوصیت کی طرف "طاہرہ" کا لقب اشارہ کرتا ہے۔

وہ اللہ کی مرضی پر راضی تھیں۔ اس کے ارادہ کو جان و دل سے قبول کرتی تھیں۔ اسی لئے ان کو اس قدر قابلِ فخر اور عظیم مرتبہ ملا کہ وہ بھی خدا سے راضی تھیں اور خدا بھی ان سے راضی تھا اور ان دو خصوصیتوں کو ان کے

لقب "راضیہ" اور "مرضیہ" ظاہر کرتے ہیں۔

اور زہرا یعنی چمکدار جیسے سورج' روشنی دینے اور جگمگانے کی خاصیتوں سے بھرپور'

وہ عرب معاشرہ میں ایک خاص تجلّی رکھتی تھیں' انہوں نے خود کو بے پناہ عظمت اور احترام کا لائق ثابت کر دیا تھا اور یہی عظمت و حرمت ہی تھی جو ایک عظیم انقلاب کا سبب بنی۔ عورت کے بارے میں عرب معاشرہ کے طرزِ فکر میں انقلاب پیدا ہوا۔

عورت اس وقت تک ہر قسم کے احترام و عزت سے محروم تھی۔ اس کو پست سمجھا جاتا تھا۔ وہ انسانی حقوق سے محروم تھی۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عظمت اور حرمت کی چھتری کھلی اور اس چھتری نے پوری طرح پھیل کر تمام عورتوں کو اپنے سائے میں جگہ دی۔ عورت سے متعلق عرب معاشرہ کا طرزِ فکر بدلا اور پھر عورت پست اور محروم ہستی کی صورت میں باقی نہ رہی۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا عورتوں کے لئے ایک عظیم مثالی نمونہ اور ان کے لئے ایک زندہ سبق تھیں اور یہ عظیم خاتون امام حسین علیہ السلام کی مادرِ گرامی تھیں۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے متعلق گفتگو کو ہم امام جعفر صادقؑ کے ایک جملہ کو نقل کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔

"اگر امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ شادی نہ کرتے تو تمام روئے زمین پر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کفو اور ان کے لئے ہم پلہ شوہر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔"

اس جملہ سے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بھی اور حضرت علی علیہ السلام کی بھی عظمت و جلالت بہترین طریقہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔

پدرِ بزرگوار

حضرت علی علیہ السلام کون ہیں؟ یہاں پر قلم حرکت کرتے کرتے رک جاتا ہے اور فکر آگے نہیں بڑھ پاتی۔

حضرت علی علیہ السلام کو پہچاننا اور پہچنوانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ فکر ان کو پہچاننے سے اور قلم ان کو پہچنوانے سے عاجز و ناتواں ہے۔

شاید یہاں پر یہی کہنا کافی ہو کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی خاتون کے شوہر اور امام حسین علیہ السلام جیسے بیٹے کے عظیم باپ ہیں۔

خدا نے ارادہ کیا کہ انسانوں کے سامنے ایک کامل انسان کا نمونہ پیش کرے ایک ایسا انسان کہ جو عمل کے لئے مثالی ہو، نمونہ ہو اور انسان کے کمال کی آخری حدود کو بتانے والا ہو۔

خدا نے چاہا کہ ہر قسم کی فضیلت کسی انسان کے وجود کی کتاب میں بتائے۔ خدا نے اس ارادہ اور خواہش کو حضرت علی علیہ السلام کے وجود میں مجسم کر دیا۔

وہ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِ تربیت قرار پائے۔

دس سال کے تھے کہ اپنی زندگی کے راستہ کو معین کیا اور انتہائی حیرت

انگیز پختہ عزم کے ساتھ اس راستہ پر چلنا شروع کیا اور اس اقدام کے حیرت انگیز نتائج اسی سن سے ظاہر ہونے لگے۔

اس سال دنیا ایک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ وہ سال بعثت کا سال تھا۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کا سال تھا۔ نئی اور پرانی دنیا میں حدِ فاصل تھا۔

اس سال ہمارے پیغمبرِ عالی مقام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اور اپنا پیغام پہچانے کا آغاز کیا۔ یہ سال تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔

یہ سال تاریخ کی مختلف ساعتوں میں دن کی حیثیت رکھتا ہے اور دن بھی نہیں بلکہ صبح کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی دل آویز صبح کہ جب اسلام کی قدرت و عظمت کی فجر طلوع ہوئی۔

ایسی فجر کہ جس نے افق پر ایک ایسی چاندی نما سفیدی اور روشنی پھیلا دی تھی جس میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی جائے عبادت پر نماز پڑھتے ہوئے صاف نظر آتے تھے اور جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام ان کے ساتھ تھے۔

اس وقت علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر میں رہتے تھے۔ پیغمبر اپنی صبح کی عبادت کو نماز کی صورت میں انجام دینے کے لئے نکلتے تو ایسے میں سمندر سی گہرائی اور آسمانوں سی وسعت رکھنے والی دو آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تعاقب کرتیں۔ یہ دو آنکھیں حضرت علی علیہ السلام کی تھیں۔

بے اختیار آگے آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک

ہو گئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علیؑ تم بھی آؤ میرے ساتھ نماز پڑھو۔"

یہ چھوٹا سا جملہ حضرت علی علیہ السلام کے دس سالہ ذہن میں ایک عظیم طوفان برپا کر گیا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے چاہا تھا کہ وہ خدا کی بارگاہ میں نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

خدا، نماز، اور ایمان۔ یہ ایسے مفہوم اور ایسے الفاظ تھے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی متفکر اور متجسّس روح کو جوش دلا دیا تھا۔ انہوں نے بارہا اس قسم کے مسائل پر فکر اور تحقیق کی تھی۔

وہ اپنے بت پرست معاشرے کی پیروی نہیں کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام کی عظیم اور قوی فکر دنیا، فطرت اور عجائباتِ دنیا کے خالق کو ایک بت سمجھے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔

خدا کا مفہوم، حضرت علی علیہ السلام کو اس کی تلاش اور جستجو میں لگائے ہوئے تھا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے چاہا کہ وہ آپؐ کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں عبادت کریں۔

اور حضرت علی علیہ السلام کی روح اور ان کی فکر تو شروع ہی سے اس قسم کی بات کے لئے تشنہ تھی۔ بے اختیار قبول کیا اور رسولِؐ خدا اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے پیچھے نماز پڑھنے کی جگہ کی طرف ذوق و شوق سے چل دیئے۔

ہاں وہ ایمان لے آئے انہوں نے اپنے ایمان کو بہت ہی جذبہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا ایمان ہی تھا جس نے اسلام کو پھلنے پھولنے کے لئے طاقت فراہم کی۔

حضرت علی علیہ السلام کا ایمان تاریخ اسلام میں ایک عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ ہم اس ایمانِ راسخ کی حیرت انگیز تجلّیوں کو اسی پہلے دن ہی سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایمان عشق سے بھی بلند تر کوئی چیز ہے۔

یہی وہ ایمان ہے کہ جس نے حضرت علی علیہ السلام کے وجود میں اسلام کی چھوٹی بڑی ہر بات کو سمو دیا تھا۔ اسلام کا بے نظیر نور حضرت علی علیہ السلام کے آئینے میں منعکس ہو رہا تھا اور تاریخ کی نگاہوں میں اسلام اور انسانی فضائل کا دل آویز مجموعہ ان کی مقدّس زندگی تھی۔

امام حسین علیہ السلام ایسے باپ کے بیٹے تھے۔

جی ہاں، جب ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی ہوں اور باپ علی علیہ السلام جیسے تو بیٹا بھی حسین علیہ السلام جیسا ہونا چاہیے۔

ولادت

حسین ابن علی علیہ السلام تین شعبان تیسری ہجری کو پیدا ہوئے۔ اسلامی سنت ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔

خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس اسلامی سنت کے مطابق امام حسینؑ کے کانوں میں اذان و اقامت دی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے اس چھوٹے سے نومولود کو اپنی گود میں لیا اور اذان و اقامت کی صورت میں توحید کا سبق دیا۔ یہ حسین ابن علی علیہ السلام کی تربیت کے سلسلے کا پہلا قدم تھا۔

اس نومولود نے اپنی زندگی کے ابتدائی چند سال رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طاہر اور مطہر گود میں گزارے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی یہ سمجھے کہ کیونکہ وہ بیٹی کے لخت جگر تھے اس لئے محبت کرتے تھے لیکن اس محبت کی اس سے بڑی وجہ بلکہ اصل وجہ امام حسین علیہ السلام کا دین اسلام کو بچانے کے لئے حیات آفریں کردار تھا۔ گویا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی ابتدائی زمانہ سے اس نومولود کے مستقبل کو بھی دیکھ رہے تھے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوربین نگاہ وقت کے پردہ کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی، یہاں تک کہ اکسٹھ ہجری تک پہنچ گئی۔

نگاہِ رسولؐ اس سرزمین کو دیکھ رہی تھی جسے کربلا کہتے ہیں۔ وہاں پر حسین علیہ السلام کو بھی دیکھا کہ کس طرح اسلام اور مسلمانوں کی نجات کے لئے انتہائی خلوص، ایثار اور فداکاری کے ساتھ وہ اپنا سب کچھ اس کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، اور موت اور شہادت کے استقبال کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیکھ رہے تھے کہ وہ اسلام کے عظیم آئینِ عدالت کی حفاظت کی راہ میں اپنے عزیز ترین عزیزوں کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ انہیں ظلم و ستم کے خاتمہ کے لئے کربلا کی قربان گاہ میں بھیج رہے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ امام حسین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے

عزیز نواسے ہیں' اصولی طور پر یہ سب قربانیاں اور فداکاری کی یہ عظیم مثالیں' خود محبت کا سبب بنتی ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشق کی حد تک امام حسین علیہ السلام سے محبت کرتے تھے۔

جی ہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نومولود کے روشن مستقبل کو اس کی پیدائش کے پہلے دن سے دیکھ رہے تھے۔ بلکہ اس سے بہت پہلے بھی جانتے تھے اور یہ بات عجیب اور حیرت انگیز نہیں ہے۔

مستقبل کا یہ علم پیغمبروں کو عام لوگوں سے بلند کر دیتا ہے اور انہیں عام لوگوں کی نسبت بہت زیادہ بصیرت اور شناخت کی صلاحیت دے دیتا ہے۔

آج کے دور میں اگرچہ سائنس اور علم نے اس قدر ترقی کی ہے مگر پھر بھی نبوت اور پیغمبری کی بعض حیرت انگیز باتیں سمجھنے سے آج کی سائنس عاجز ہے۔

لیکن کیا ہر چیز کو آج کی سائنس کے چند گنے چنے اصولوں پر پرکھا جا سکتا ہے؟

کیا انسان یہ اطمینان حاصل کر سکتا ہے کہ آج کے دور میں سائنس اور دانش اپنے کمال کی انتہا کو پا چکی ہے؟ اور کیا یہ اتنی قدرت رکھتی ہے کہ مختلف مادی اور غیر مادی پہلوؤں سے انسان کے تمام مسائل کو حل کرے اور وہ تمام باتیں جن سے انسان ابھی تک ناواقف ہے ان کی وجہ اور علت بتا دے؟

اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ آج کا علم اور آج کی سائنس مکمل ہے تو کہنا پڑے گا کہ اس کا یہ خیال نامعقول طور پر غرور کا نتیجہ ہے اور اس غلط خیال کے نتیجے میں یہ کہنا ہو گا کہ علم کی ایک حد ہے اور علم اب مزید ترقی نہیں کر سکتا۔

بہتر یہی ہے کہ ایسے مسائل جن کو سمجھنے سے ہم عاجز ہیں ان کے سلسلے میں ذرا احتیاط سے کام لیں اور فوراً قطعی طور پر ان کا انکار نہ کردیں۔

اگر انسان میں علم کی اتنی طاقت اور وسعت ہوتی کہ وہ خود تمام باتوں کو سمجھ لے تو پھر پیغمبروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا راز یہی ہے۔

آیئے چودہ سو سال پیچھے پلٹ کر دیکھیں۔

دنیا کو اور دیگر آسمانی کرّوں کو اور اجرامِ فلکی کو ساکن اور بے حرکت سمجھا جاتا تھا۔

اس زمانہ میں "بطلیموس" کا علم ہیئت کائنات میں پیش آنے والی تبدیلیوں کو اسی اساس پر پرکھتا تھا کہ تمام اجرامِ فلکی ساکن ہیں' یہ ایک سائنسی نظریہ تھا۔ ایک ایسا نظریہ کہ جسے دنیا کے تمام علماء اور سائنسدان اور بڑے بڑے علمی مراکز قبول کر چکے تھے۔ ایسے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراحت سے فرماتے ہیں کہ

کل فی فلک یسبحون

"سب کے سب ایک ایک آسمان میں (اپنے اپنے مدار میں) تیر رہے ہیں۔"

(سورہ انبیاء ۲۱: ۳۳)

انسان سے متعلق مسائل میں سے ایک مثال پیش خدمت ہے کہ عورت کو ایک پست' حقیر اور انسانی حقوق سے محروم ہستی سمجھا جاتا تھا' ایسے میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ:

انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقا کم ○

"(عورتو' مردو' کالے لوگو' گورے لوگو') ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ تم لوگ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اس میں شک نہیں کہ تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔"

(سورۂ حجرات ۴۹: ۱۳)

سوال یہ ہے کہ اس تاریک زمانے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہاں سے اجرام فلکی کی گردش کو کشف اور دریافت کیا اور کس علم کی بنیاد پر مرد اور عورت کے انسانی حقوق برابر ہونا معلوم کیا؟

لوگ سورج اور ستاروں کو ابدی اور غیر فانی سمجھتے تھے تو فرمایا کہ:

اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت

"جس وقت آفتاب (کی چادر) کو لپیٹ لیا جائے گا اور جس وقت تارے گر پڑیں گے۔"

(سورۂ تکویر ۸۱: ۱، ۲)

یہ سب معلومات کہاں سے حاصل ہوئی تھیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس وہ کون سا علم ہے جو ان مسائل کے بارے میں جواب دیتا ہے؟

یہی وہ مقام ہے جہاں سائنس جواب دے جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نہیں سمجھتی۔ میں نہیں جانتی اور یہی وہ مقام ہے جہاں مذہب سائنس سے

آگے بڑھ جاتا ہے اور انسان کے ہاتھ میں ایک چابی دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "خدا اور علمِ خدا۔"

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نامعلوم اشیاء اور نامعلوم باتوں کو خالقِ علم اور خالقِ ہستی سے ربط دے دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں یہ قدرت ہے کہ وہ ہستی کے حقائق کو پردے ہٹا کر دیکھ سکیں۔

یہاں پر میں چاہوں گا کہ اس مطلب کو ذرا دور اور نیچے اتر کر یعنی نبوت اور پیغمبری سے ہٹ کر پیش کروں۔

فکروں کا اختلاف

کیا تمام لوگوں کی فکر اور سوچ ایک جیسی ہوتی ہے؟

آئن اسٹائن دنیا کے مشکل ترین اور پراسرار معموں کو حل کر دیتا ہے لیکن ایک انسان ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کے بس میں دو اور دو چار کا حل بھی نہیں ہوتا۔

وہ تناسب کے قانون کو واضح طور پر پوری کائنات پر محیط دیکھتا ہے اس کو سمجھتا ہے اور پھر دنیا والوں کو اپنا فیصلہ بتا دیتا ہے لیکن اس کے زمانہ میں گویا دو سے زیادہ آدمی اس کے نظریہ کو نہیں سمجھ پائے۔

ایسا کیوں ہے؟

مجھے اجازت دیجئے کہ ذرا اور اوپر کی طرف چلیں اور مذہب اور مذہبی مسائل سے ہٹ کر کچھ بات کریں۔ حتیٰ کہ کچھ دیر کے لئے خدا کا ذکر بھی درمیان میں نہ لائیں۔

ہمارے سامنے یہ حقیقت ہے کہ فطرت (یا اس کو جو بھی نام دے دیں) نے مختلف سوچ اور مختلف فکر رکھنے والے انسانوں کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ صفر سے لے کر' ایسی فکر سے لے کر جو دو اور دو چار کو نہ سمجھ پائے آئن اسٹائن کی فکر تک پہنچ جائیے کہ جو حساب کے مشکل ترین فارمولوں کو حل کر دیتا ہے۔

یہ فطرت کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ نیچر' فطرت یا طبیعت جو بھی نام رکھیں' اس بات سے بہرحال کسی کو کوئی انکار نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ آیا فطرت اور طبیعت آگے ترقی کرنے سے رک گئی ہے اور کیا قانونِ تکامل (کمال کی طرف بڑھتے رہنے کا قانون) ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتا ہے؟

ایسی فطرت' ایسی نیچر کہ جس نے اربوں کی تعداد میں افکار بنائے اور افکار بھی ایسے جو ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف بھی ہوا کرتے ہیں اس کے لئے کیا مانع تھا کہ وہ ایک ایسی فکر بھی بنائے جو اور زیادہ قوی ہو' جو خلقت کے حقائق کو واضح طور پر دیکھے' جو ہستی کے راز اور سرِ کائنات کو حل کر دے۔ یا پھر مذہبی عبارت میں یوں کہا جائے کہ جو ہستی کے وجود میں آنے کے راز کو اور خدا کو سمجھ سکے اور اس کے علم سے مستفید ہو سکے۔

مذہب کی ابتدائی سرحد

یہیں سے انسان' مذہب کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔

جی ہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسا علم تھا جو اوروں کے پاس نہیں تھا۔ ایک ایسی فکر اور سوچ تھی جو دوسروں کی فہم سے بالاتر تھی۔

اسی علم اور فکر کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئندہ کے واقعات کو دیکھتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ کس طرح یہ نومولود جس کا نام حسین علیہ السلام رکھا ہے، مستقبل قریب میں اسلام کی نجات کے لئے میدانِ جنگ میں قدم رکھ رہا ہے اور تصور سے بھی بالاتر جانثاری اور ایثار کے ساتھ اس نئی بنیادوں والے آئین کے اوپر اپنا اور اپنے بیٹوں کا خون نثار کر رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ حسین علیہ السلام اس دن کے لئے ذخیرہ ہیں۔

جی ہاں ایسے دن کے لئے کہ جب اموی خاندان کی پھیلائی ہوئی دہشت اور وحشت پورے اسلامی معاشرہ پر چھا چکی ہو۔

ایسے دن کے لئے جب اسلامی عادلانہ حکومت کی جگہ یزید کی من پسند اور ظالمانہ حکومت نے لے لی ہو اور حق و فضیلت کی جگہ باطل و رذیلت نے لے لی ہو۔

اور ظاہر ہے کہ فطری طور پر نیا اسلامی معاشرہ اس قسم کے خوفناک طوفان کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نئے آئینِ اسلام کے بانی کو چاہیے تھا کہ خطرہ کے وقت بچاؤ کے لئے ایک طاقتور ذخیرہ فراہم کر دے۔

ایک ایسا ذخیرہ جو اس وقت کے معاشرہ کی تمام طاقتوں پر حاوی آسکے۔ ایسا ذخیرہ کہ جو یزید کی ظالم و جابر حکومت کے زیر اثر معاشرہ میں انقلاب برپا کر دے جو باطل طاقتوں کے مقابلہ میں ڈٹ جائے اور جو اسلام کی حقانیت کو اپنے دور میں اور اپنے بعد آنے والے ادوار میں ثابت کر دکھائے۔

اور یہ وہی ذخیرہ ہے جو خاندانِ نبوت میں پیدا ہوا اور جس کا نام حسین

علیہ السلام رکھا گیا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنی زندگی کے ابتدائی چند سال رسولِ خدا کے پاک و پاکیزہ دامن میں بسر کئے۔ ان کی مذہبی تربیت کی بنیاد پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دس ہجری کو اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ اس کے بعد اس عظیم الٰہی ذخیرہ کی تربیت اور پرورش حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد پچھتر یا پچانوے دن بعد حسین علیہ السلام اپنی عظیم ماں کے دامن سے محروم ہو گئے۔ اس کے بعد حسین علیہ السلام اپنے عظیم باپ کے دامن کو پکڑے ہوئے اسلام کے تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے اور ان ہی واقعات نے تو عاشورہ کی طرف راہ کھولی تھی۔

امام حسین علیہ السلام ابتداء ہی سے ان واقعات و حادثات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ کس طرح اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ منحرف ہو رہا ہے اور اس راستے کو چھوڑ رہا ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنا کر گئے تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے تاریخ اسلام کے ان حوادث و واقعات میں اپنی ستاون سالہ زندگی گزار دی۔ ان واقعات سے آپؑ نے ایک خاص نتیجہ اخذ کیا تھا اور یہی وہ بات تھی جو انہیں کربلا کے راستے پر لے چلی۔

واقعۂ کربلا کو مزید غور سے دیکھنے کے لئے ہمیں دو مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ہوگا اور اس کے لئے ہمیں پھر ناچار پیچھے کی جانب پلٹنا ہوگا۔ آیئے تصور ہی تصور میں ایسے زمانہ میں پہنچ جائیں جب حسین علیہ السلام رسول اکرمؐ کے دامنِ تربیت سے مستفید ہو رہے تھے۔

علم گواہ ہے کہ انسانی زندگی کے اوّلین سال ہی سے اس کی شخصیت اور افکار کی تعمیر شروع ہوجاتی ہے۔

ہر شخص کی فکر کی الف بے اس کی آئندہ کی زندگی کو تشکیل دیتی ہے اور ایسا عمر کے ابتدائی چند سالوں ہی میں ہو جاتا ہے۔

اور امام حسین علیہ السلام تو اس دوران میں اپنے نانا پیغمبرِ اسلامؐ کی اعلیٰ تربیت کے زیر اثر تھے۔

عدل و انصاف کی تربیت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کا محور عدل و انصاف تھا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ معاشرہ عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم رہے۔ اسی لئے اسلامی تربیت کی اساس توحید' خدا پر ایمان اور عدل ہے۔

اس مسئلہ میں اسلامی فکر یہی کہتی ہے کہ فرد اور معاشرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام معاشرہ کو عدل و انصاف کے راستہ پر چلنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرد ہی سے تو معاشرہ بنتا ہے۔ جب تک فرد کو عدل و انصاف کی تربیت نہ ملے۔ معاشرہ کبھی بھی عدل و انصاف کے زیر سایہ نہیں آسکتا۔

جب کسی فرد کو واقعی عدل و انصاف کی تربیت مل جائے تو وہ نہ صرف یہ

کہ خود عدل و انصاف کے راستے کو نہیں چھوڑتا بلکہ اگر کہیں بے عدالتی اور قانون شکنی دیکھتا ہے تو چپ بیٹھا نہیں رہتا۔ امام حسین علیہ السلام نے ایسے ہی مکتب میں تربیت پائی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی چند سالوں میں رسولِ خدا کی تربیت سے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ آپؑ کی زندگی سے بہت سے سبق حاصل کر لئے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ رسولِ خداؐ نے معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام اور استحکام کے لئے کس طرح سے انتھک محنت اور مسلسل کوشش کی تھی۔ انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ نبی اکرمؐ ظلم و ستم اور معاشرہ کے فرسودہ اور غلط نظاموں کے خلاف کس طرح کا عکس العمل رکھتے تھے۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عدل و انصاف کے بارے میں نظریات کو آنکھوں کی زبان میں سن چکے تھے اور اسی دیکھنے اور سننے نے امام حسین علیہ السلام کی روح کو اُن کی فکر کو اور ان کی شخصیت کو بنایا تھا اور یہی شخصیت اور یہی فکر تھی جس نے عاشورہ کے معرکہ اور جانبازی کی ضرورت سمجھی۔

اسی خاص تربیت کا نتیجہ ہی تو تھا کہ امام حسین علیہ السلام انحراف اور ظلم کو دیکھتے ہوئے چپ نہیں بیٹھ سکتے تھے اور اس طرح چپ بیٹھ کر ظلم کے مزید پھلنے پھولنے کی راہ ہموار نہیں کر سکتے تھے۔

گناہ پھیل چکا تھا

امام حسین علیہ السلام ۶۰ ھ میں ظلم و ستم اور گناہ کے دامن کو بہت پھیلا ہوا دیکھ رہے تھے اور اس قدر پھیلا ہوا کہ یہ اتنے وسیع اسلامی معاشرہ کے

کونے کونے تک پھیل گیا تھا۔

ان حالات میں وہ چپ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ اپنے مقام، وقار اور وجود کو محفوظ رکھنے کی خاطر اسلامی معاشرہ کی عمومی مصلحتوں اور ضرورتوں کو نظرانداز کر دیں۔

یہ ضرورتیں اس وقت یزید نامی ایک شخص کی ظالمانہ ہوا و ہوس کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔ یزید حکومتِ اسلامی کا سربراہ اور خلیفۂ وقت تھا۔ خلیفہ لیکن بدکردار اور فاسد خلیفہ۔

گناہ اور بے عدالتی اسی کے سبب پھیل رہی تھی اور معاشرے کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔

بہتر ہے کہ اس مقام پر بات کو اصل بنیاد سے شروع کیا جائے۔

یزید کون؟

عبد مناف کے گھر میں دو ایسے جڑواں بچے پیدا ہوئے کہ وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ایک کا نام عبد شمس رکھا گیا اور دوسرے کا ہاشم۔

آخرکار ان دونوں جڑے ہوئے بچوں کو تلوار کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔ لوگوں نے یہ برا فال نکالا کہ ہمیشہ ان دونوں میں تلوار چلا کرے گی۔

عبد شمس کا بیٹا امیّہ دنیا میں آیا اور وہی اموی خاندان اور بنی امیّہ کے خاندان کا جدِ اعلیٰ قرار پایا اور ادھر ہاشم جو کہ بہت ہی شریف اور بہت ہی فضیلت والے شخص تھے، خاندانِ بنی ہاشم کے جدِ اعلیٰ قرار پائے۔

اتفاق سے جس طرح لوگوں نے پیشین گوئی کی تھی وہی ہوا۔ پوری تاریخ گواہ ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیّہ کے درمیان ہمیشہ لڑائی ہی ہوتی رہی اور ہمیشہ دونوں کے مابین تلوار ہی چلتی رہی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاندانِ بنی ہاشم سے تھے اور آپؐ کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے سے پہلے قریش اور مکہ کی حکومت ابو سفیان کے ہاتھ میں تھی اور ابو سفیان بنی امیّہ کے خاندان سے تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت اور مکہ کے لوگوں میں عدل وانصاف کی خواہش نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ ایک ایسا طوفان کہ جس نے مردہ فکروں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں نے اس خاموشی سے بہت فائدے اٹھائے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس کی حکومت، معاشرہ پر چھائی ہوئی اسی خاموشی اور سوئے ہوئے ذہنوں کی رہینِ منت تھی۔ مکہ کا سرد اور بے حرکت معاشرہ ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں جیسے فاسد اور مطلب پرست لوگوں کی حکومت کے قیام کا سبب بنا۔ انہوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بے کس اور محروم عوام پر ناجائز طور پر مسلط ہو گئے۔

اس زمانے میں مکہ میں دو قسم کے طبقے تھے۔

ایک تو وہ غریب طبقہ جو انتہائی بد بختی اور ذلت کے ساتھ زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔

اور دوسرا انگلیوں پر گنے جانے کے قابل وہ طبقہ جس میں بزرگانِ قوم اور قبیلوں کے سردار شامل تھے جو حد سے زیادہ ٹھاٹ باٹ سے رہتا تھا۔ اس طبقہ

نے اپنے ہی شہر کے لوگوں کا خون چوسنا شروع کیا اور ان کے ٹیکسوں اور محصول میں اضافہ ہوتا رہا۔

یہ ایک ایسا معاشرہ بن گیا تھا جو ظلم و ستم کے کالے دھوئیں سے اٹا ہوا تھا۔

پہلا طبقہ دوسرے طبقہ کی پرزور زندگی کے دباؤ میں آکر مٹی میں ملتا جا رہا تھا۔ اس کے افراد ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے مارے جاتے تھے اور دوسرے طبقہ کے افراد ان مردہ جسموں پر ٹھوکریں مارتے تھے اور رقص کرتے تھے اور بدمستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اور اس طبقہ کا سربراہ ابو سفیان تھا۔ خاندان بنی امیّہ کا ایک بڑا آدمی اور سردار۔

اور ایسے حالات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ بنا رہے تھے اور ابھر رہے تھے۔

ان کے ابھرنے کا راز ہمیں کہاں تلاش کرنا چاہیئے؟

اسلام کے ابھرنے کا راز

اسلام کا سورج آخر کس طرح ظلم و ستم کی تاریکیوں اور زمیندارانہ نظام کی ظلمتوں میں طلوع ہوا' جب تک یہ راز سمجھ میں نہ آئے' معرکۂ عاشورا سمجھ میں نہیں آئے گا۔

یہاں پر بہتر ہو گا کہ ہم جدید مادی نظریہ پر روشنی ڈالیں۔

جدید مادی فکر ہر چیز کو اقتصاد کے ترازو میں تولتی ہے۔ تمام ادیان و مذاہبِ عالم سے متعلق اس کا جو نظریہ ہے وہ صرف اقتصادی پہلو ہی کو سامنے رکھتا

ہے اور اس کے سوا تمام حقیقتوں کو دیکھنے سے وہ عاجز ہے۔ مذہب کیوں ابھرتا ہے۔ جدید مادی فکر' اس سلسلے میں اقتصاد کو بنیاد بناتے ہوئے چند نظریئے پیش کرتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"اگرچہ آقاؤں اور حاکموں کا زمینداروں اور ARISTOCRATES کا ستم زدہ اور کمزور طبقہ پر شدید دباؤ خود ان لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے اور بپھر جانے کا سبب بنا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے افکار بھی معاشرہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو محروم طبقہ کے دلوں کو سکون اور تسلی دے سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انہی افکار پر مشتمل مذاہب ظاہر ہوئے ہیں جو کہ روح کے لئے افیون کا اثر رکھتے ہیں۔"

جدید مادی فکر ایک قدم اور آگے بڑھتی ہے۔ مذاہب کی روداد بتاتے ہوئے یہ فکر زمیندار اور اونچے طبقے کو مذہب کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور کہتی ہے:

"چونکہ مذہبی فکر مظلوم طبقہ کو دباؤ اور ظلم کے مقابلہ میں صبر و تحمل کی طرف دعوت دیتی ہے اسی لئے اس طبقہ کو یہ فکر پسند نہیں آتی ہے۔"

یہاں پر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی یہ بات مذہب کی وجہ بتانے کے لئے نہیں بلکہ وہ اس بات کو اساس بنا کر اسی کو اسلام کے وجود میں آنے کا سبب بتلانا چاہتے ہیں چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ابو سفیان' ابو جہل اور ابو لہب جیسے ظالم اور اس وقت کے ممتاز طبقوں کے افراد نے عوام کے انقلاب کو روکنے اور ان کو زیادہ سے زیادہ دبا کر رکھنے کے لئے یا دوسرے الفاظ میں ان کو اعصابی طور پر بدمست اور مدہوش کر دینے

کے لئے اسلام ایجاد کیا اور اسلام کو انہوں نے اپنے مادی اور اقتصادی فوائد کے حصول کے لئے استعمال کیا۔"

ان معاشرہ پر ظلم ڈھانے والوں نے، صبر کرنے اور ظلم کے آگے سر جھکادینے کی کیفیت کو عوام میں تقویت بخشنے کے لئے مذہب نام کی ایک غیر مادی چیز ایجاد کی۔ تاکہ اسطرح ستم رسیدہ طبقہ کو ان کی محرومیاں محسوس نہ ہوں اور ان کے ذہنوں میں انقلاب کا خیال تک پیدا نہ ہو۔

اس طرح اسلام کی ایجاد کے بعد اس ستم گر طبقہ کو مزید آسائش اور امن فراہم ہوا اور اس طرح انہیں جلد ہی بڑے ماہرانہ طریقہ سے اپنے مادی اور اقتصادی فوائد حاصل ہو گئے اور اسی لئے مجبوراً ابو سفیان جیسوں کو اسلام کا علمبردار بننا پڑا۔

یہ تو ہے مادہ پرستوں کا نظریہ لیکن حقیقت میں تاریخ کی روداد کچھ اور ہی ہے۔

ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ اسلام کے وجود میں آنے کے فوراً بعد اسلام کی سب سے پہلے مخالفت انہی ستمگروں اور ظالموں کی طرف سے ہوئی تھی۔ ابو سفیان جیسے لوگ نہ تو اسلام کے علمبردار تھے اور نہ ہی یہ لوگ اسلام کو عوام کو بے وقوف بنانے کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ بلکہ یہ تو وہ لوگ تھے جو پوری قوت سے اسلام کے خلاف جنگ و جدال کرنے پر تیار تھے۔ جبکہ دوسری طرف ہم ستم رسیدہ اور خاموش عوام کو دیکھتے ہیں کہ جن میں اسلامی نظریات سے واقفیت کے بعد جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔

وہ لوگ جو خود کو ممتاز طبقہ کا غلام سمجھتے تھے اب انہوں نے احساس کیا کہ

وہ غلط طریقہ سے سوچ رہے تھے اور اب وہ خود کو دیگر انسانوں جیسا سمجھنے لگے۔

اسلام کے ظہور کے بعد ایک ساکت اور دبا ہوا معاشرہ انقلاب کے ساتھ ابھرتا ہے اور ایک پرسکون سمندر میں طوفان آجاتا ہے۔

اس سمندر کی سطح پر نئی نئی موجیں ابھرتی ہیں جو اس سے پہلے نہیں ابھری تھیں۔ پھر ان نئی اور پرانی موجوں کے درمیان ایک دلچسپ جنگ چھڑ جاتی ہے۔

بے نوا اور بے کس عوام کی موج جو قبل از اسلام بے رنگ، مردہ اور خاموش تھی، اب ابھرتی ہے، اس میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے اور وہ دوسری موجوں سے جنگ کرنے کے لئے نعرہ لگاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ظالم موجوں کے خلاف جنگ کرتی ہے۔ ایک طرف تو ابو سفیان جیسے لوگ ہیں تو دوسری طرف عوام۔ ایک طرف ظالم ہیں تو دوسری طرف مظلوم۔

آخرکار ظالم طبقہ مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس جوش و خروش کی اصل وجہ کو ختم کر دے۔ اس وجہ کو جس نے بے کس اور بے نوا عوام کے جسموں میں روح دوڑا دی اور ان کو خاموشی اور سکوت کے غار سے باہر نکالا اور انہیں انسانی حقوق سے آشنا کیا۔

اور یہ وجہ اسلام کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔

ایک بڑی جنگ شروع ہوتی ہے

یہیں سے "مارکسزم" کی تھیوریوں کے خلاف ایک بڑی جنگ شروع ہو

جاتی ہے۔

اسلام کے ساتھ ظالم اور بڑے طبقوں کی جنگ اور ان طبقوں کا سرِراہ اور سرکردہ ابو سفیان تھا۔

ابو سفیان بنی امیّہ کے خاندان کا بزرگ تھا۔ اسلام جب طلوع ہوا تو اس خاندان نے اپنی سرداری اور ظلم و ستم کی عمارت کے بنیادوں سمیت منہدم ہو جانیکا خطرہ محسوس کیا۔ ان کے کانوں میں اسلامی عدل و انصاف کے خطرہ کی گھنٹی کی آواز ہر طرف سے آنے لگی۔ ان لوگوں نے بھی مجبور ہو کر اپنے وجود اور اپنے مقام کی حفاظت کے لئے جنگ کا اقدام کیا۔ یہ جنگ تاریخ اسلام کے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور ہر دور میں کسی نہ کسی مقام پر نمودار ہوتی رہی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عدل و انصاف کا پرچم بلند کیا۔ یہ ایک ایسا پرچم تھا جو آسمانی اور الٰہی تھا اور کبھی بھی جھک نہیں سکتا تھا۔

بے کس اور مظلوم عوام اس پرچم تلے جمع ہو گئے۔ وہ ظلم و ستم سے تنگ آ گئے تھے۔ بدقسمتی اور بدبختی نے ان کو خلافِ انسانیت گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ ہر لحہ منتظر تھے کہ امید کی کوئی کرن پھوٹے، کوئی بجلی چمکے۔ جس کی روشنی میں وہ اپنے لئے نجات کے راستہ کو کھول سکیں۔

اور یہ بجلی چمکی۔ ایک نورانی پہاڑ کے دامن میں چمکی۔ اس پہاڑ کی دشوار گزار چوٹیوں سے چمکی اور یہ وہ جگہ تھی جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلوت گاہ تھی۔ اسی جگہ سے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے درسِ نبوت لیا تھا اور یہیں سے عدالت اور عدل و انصاف کے طریقے سیکھے تھے۔

وہ عدالت جس کا کام بندگانِ خدا کو ظالموں کی بندگی سے آزاد کرانا اور خود

مظلوم عوام میں مقابلہ کے لئے آمادگی پیدا کرتا ہے۔ آخرکار وہ عدالت پہاڑ سے اتر کر شہر میں آ گئی ـــــ اس نے اپنی آواز بلند کی۔ عدالت کے خواہشمند لوگوں کو اس آواز میں امید کی کرن نظر آئی۔ یہی وہ روشنی تھی جس کی انہیں جستجو تھی۔ اس روشنی نے فکروں کو روشن کردیا۔ انقلاب کا راستہ دکھایا۔

انقلاب! کیسا انقلاب؟ معاشرہ کے بتوں کے خلاف انقلاب' ابوسفیان اور اس جیسے دیگر ظالموں کے خلاف انقلاب اور جدید مادی افکار کے طرفدار لوگ جو بات کہتے ہیں۔ یہ بات اس کے بالکل برخلاف ہے۔

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی ہمراہی میں مقابلہ کا آغاز کیا۔ اس راستہ میں بہت سی سختیاں جھیلیں۔ بہت سے رنج اٹھائے اور دربدر کی تکلیفیں برداشت کیں۔ ابو سفیان نے بھی اپنا پورا زور لگایا کہ راہِ سعادت دکھانے والی اس روشنی کو ختم کردے لیکن کیا عوام کے بھرپور جذبات اور ان کی دلی خواہشات کا مقابلہ ممکن ہے؟

اسلام کی روح عدالت ہے اور عدل و انصاف ہی عوام کی دلی خواہش ہے۔

آخرکار آسمانی عدالت آگے بڑھی۔ اس نے دلوں کو فتح کر لیا۔ عوام کی اکثریت کو اپنا طرفدار اور اپنا پیرو بنا لیا۔

ابتداء میں عدالت ایک چشمہ کے خوشگوار پانی کی طرح نورانی پہاڑ کے دامن سے پھوٹی۔ لیکن آخرکار اس نے ایک زبردست سیلاب کی شکل اختیار کرلی اور پورے معاشرہ میں پھیل گئی۔ اس سیلاب نے ظالم طاقتوں کو درہم برہم کر دیا۔ اکڑنے والوں کے بنائے ہوئے بوسیدہ بند توڑ دیئے۔ یہ سیلاب

سرحدوں سے بھی آگے بڑھ گیا اور باہر کی دنیا میں بھی پھیل گیا۔

عدالت کسی ایک خاص جگہ کی اصطلاح نہیں ہے۔ عدالت نہ زمان کو پہچانتی ہے اور نہ مکان کو وہ ہر دور کے لئے اور ہر جگہ کے لئے ہے۔ عدالت کا انسانیت سے گہرا تعلق ہے۔ جہاں جہاں صحیح معنوں میں انسان پائے جائیں گے وہاں وہاں عدالت کے طرفدار ضرور ملیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے فکروں کو تحرک اور حرکت بخشی۔ قرآنِ مجید کی آسمانی آیتوں نے تاریک معاشرہ کی فضاء کو روشن کر دیا اور اسی روشنی میں لوگوں نے ابو سفیان جیسوں کا مکروہ اور نفرت انگیز چہرہ دیکھا۔ لوگوں نے احساس کیا کہ وہ ایک گہری نیند سے بیدار ہو گئے ہیں۔ ان کو سخت تعجب ہو رہا تھا کہ کس طرح انہوں نے ابوسفیان جیسوں کی فاسد اور ظالم حکومت کو برداشت کیا اور چوں تک نہ کی۔ اس فکر کی تبدیلی کے نتیجے میں لوگوں کی توجہ اس طرف سے دوسری جانب مبذول ہوئی۔

خیالی بت ٹوٹ گیا اور اموی خاندان کے سردار ابو سفیان کی عظمت خاک میں مل گئی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں عدل کی جلوہ نمائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ لوگوں کے افکار اور لوگوں کے دل سب اسی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اس طرح قدرت ابو سفیان کے گھر سے نکل کر وحی کے گھر میں' رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پہنچ گئی۔

بنی امیہ اس وقت تک ریاست و حکومت کو اپنا مسلّم حق سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اموی تاریکی آسمان سے چھٹ گئی۔ اسلام کے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا' لیکن یہ قدرت معنوی

قدرت تھی جسے آپؐ نے روحانی اور آسمانی جذبہ کے ساتھ سنبھالا۔

ابو سفیان بلکہ در حقیقت اموی خاندان نے پھیلتی ہوتی اسلامی فکر کا بھرپور مقابلہ کیا۔ جس قدر اسلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معنوی اور روحانی اثر بڑھتا جاتا تھا۔ اسی قدر ان کی جانب سے مخالفت اور مزاحمت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ رسولِ خداؐ اپنے وطن مکہ میں مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ وحی کے اس پہلے دن ہی سے آپؐ نے توحید کو پھیلانے کے سلسلے میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ رسولِ خداؐ نے اپنے اس مقدّس مقصد کے لئے تیرہ سال تک مسلسل مکہ میں جدوجہد کی۔ تیرہ سال کے اس عرصہ میں بنی امیّہ نے ابو سفیان کی قیادت میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے ماننے والوں کو بہت سخت اذیتیں پہنچائیں۔ یہ اذیتیں اس قدر شدید تھیں کہ ناچار رسولِ خداؐ نے اپنے ماننے والوں کی ایک تعداد کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکلیں اور حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں۔خود آپؐ نے تین سال تک شہر مکہ سے باہر ایک پہاڑ کے شگاف میں پناہ لی جس کا نام بعد میں شعبِ ابی طالب پڑا۔

پھر ایسے حالات ہوئے کہ پیغمبرؐ کو واپس مکہ آنے کا موقع ملا لیکن اس مرتبہ ابوسفیان کی سرکردگی میں مخالفوں کے پے در پے حملوں نے آنحضرتؐ کے لئے زندہ رہنا دشوار کر دیا۔ ناچار آپؐ دوبارہ مکہ سے نکلے اور مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یہی ہجرت اسلامی تاریخ کا آغاز قرار پائی کہ اب تک اس ہجرت کو ۱۴۰۰ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے وہاں اسلام کو ترقی حاصل ہوئی۔ اسلام کے ماننے والے بڑھتے چلے گئے اور یہ بات

ابو سفیان جیسوں کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جنگِ بدر، جنگِ احد اور جنگِ خندق اموی خاندان کی اسلام کے ساتھ مخالفت کی واضح دلیل ہیں۔ اس کے باوجود وہ ان جنگوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور اسلام کی رونق میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

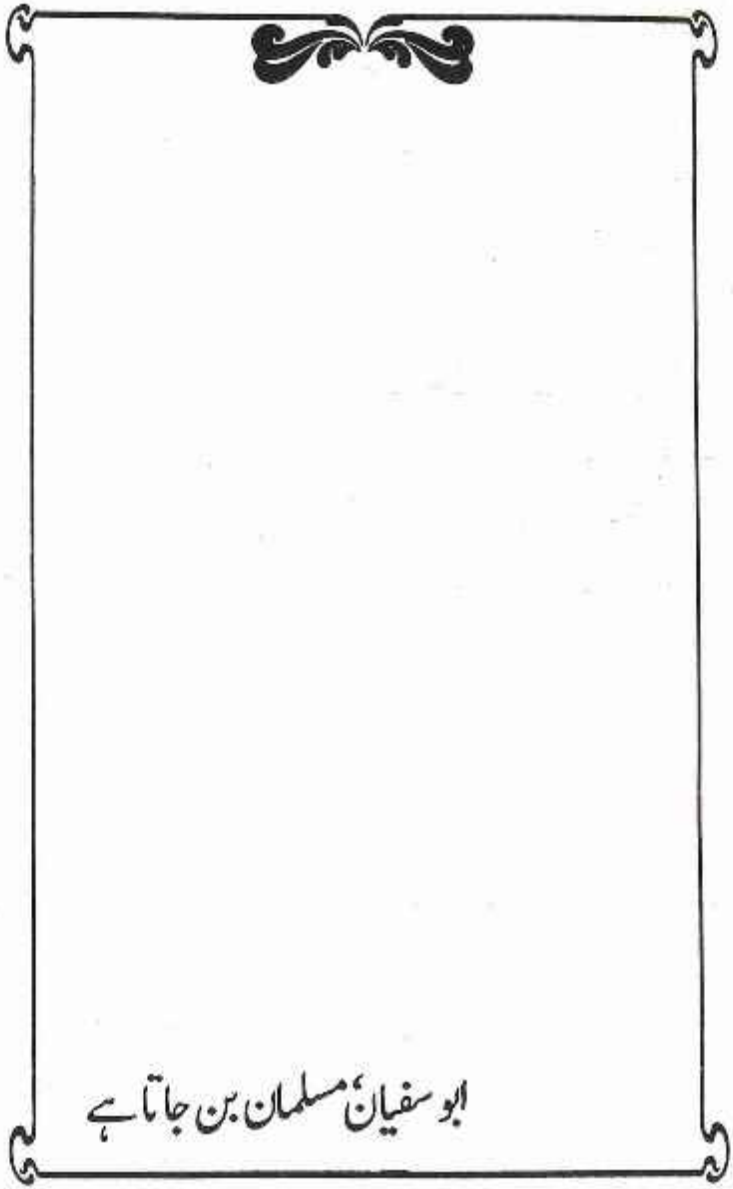
ابو سفیانؓ مسلمان بن جاتا ہے

اسلامی عدل کا چرچا سرحدوں کو پار کر گیا، شہر کے اطراف کے قبیلوں اور دور و نزدیک کے شہروں میں پہنچ گیا اور ہر جگہ دلوں میں بیٹھ گیا۔ عدل و عدالت کے علمبردار نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ماننے اور پیروی کرنے والوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم طاقت فراہم ہو گئی۔ ایسے تاریخی لمحہ میں ابو سفیان کے مدِمقابل اسلام کی عظیم طاقت تھی۔ اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس پر وحشت سوار ہو گئی۔ وہ خوفزدہ ہو گیا۔ وہ ایک ایسی پناہ تلاش کرنے لگا۔ جہاں وہ خطرہ سے محفوظ رہ سکے۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ اس طاقت سے مزید مقابلہ اس کے بس کی بات نہیں۔ ایک بپھری ہوئی موج ہے جو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور کوئی اس کے سامنے ڈٹ نہیں سکتا۔

ابو سفیان مکہ کے اطراف میں پہاڑ کی چوٹیوں کے درمیان کھڑا تھا۔ وہ اسلامی فوج کو نزدیک سے دیکھنے آیا تھا۔ اس تک خبر پہنچی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہ خبر اسے ہراساں کیے ہوئے تھی۔

طلوعِ اسلام کو کئی برس گزر چکے تھے۔ وہ اس تمام مدت میں اسلام اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دینے کی ہر طرح سے کوشش کر چکا تھا۔ حتیٰ کہ چند بار جنگ کے نام پر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مدِّمقابل بھی آ چکا تھا۔ جنگِ بدر، جنگِ احد اور جنگِ خندق، یہ سب ابو سفیان کی اسلام کے خلاف مسلسل جنگیں ہیں۔ لیکن اسے ان جنگوں سے کوئی فائدہ نہ ملا تھا۔ وہ جتنی بھی کوشش کرتا زیادہ تر شکست ہی کھاتا تھا۔ اسلام کی رونق میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اب اسلام پہلے سے زیادہ دلوں کو مسخر کر رہا تھا۔

اس سال پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک تعداد کو لے کر مکہ جانے اور وہاں کے بت پرستوں اور قریش کے ظالموں کی اصلاح کرنے اور ان پر اتمام حجت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ارادہ کے ساتھ آپ نے مکہ کی طرف حرکت کی۔ یہ خبر ابو سفیان تک پہنچ گئی۔ وہ وحشت زدہ اور پریشان ہو کر شہر سے باہر نکلا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنا جلد ہو سکے اپنی آنکھوں سے اسلام کے لشکر کو دیکھ لے اور پھر اسی کے مطابق جنگ کی تیاری کرے۔ وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر کبھی چڑھتا اور کبھی اترتا دکھائی دے رہا تھا کہ اچانک اس نے کسی بہت بڑی چیز کو دیکھا جس کا رنگ لوگوں کے اسلحہ کی وجہ سے سیاہ ہو رہا تھا۔۔۔ یہ مسلمان تھے۔ ابو سفیان نے اب تک اتنا بڑا مجمع اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک عظیم اور بے مثال طاقت تھی جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گرد ان لوگوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ اس لشکر کے نظم و ضبط کا یہ عالم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک اشارے سے وہ حرکت میں آ جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک اشارے سے حرکت روک دیتے تھے۔ ابو

سفیان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ اسلام اتنا طاقتور ہو جائے گا لیکن بہرحال وہ ایک پختہ اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ اس کے لئے اب مزید براہ راست مقابلہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس نے دیکھ لیا کہ وہ اب اسلام کے طاقتور پنجے سے اپنا پنجہ نہیں لڑا سکتا' اس کے پاس اب اتنی طاقت اور اتنی فوج نہیں کہ جنگ کے نام پر مسلمانوں سے ٹکر لے۔

پس کیا کرنا چاہئے؟

ابو سفیان گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اچانک اس کے شیطانی چہرہ پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے اپنا سر بلند کیا اور ایک بار پھر اسلام کے بے شمار سپاہیوں پر نظر ڈالی۔ اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ شیطنت اور سیاست سے بھرپور فیصلہ۔

اور یہی وہ فیصلہ تھا جو تاریخِ اسلام میں بہت سے حادثوں کا سبب بنا۔ عاشورا کے ہمیشہ زندہ رہنے والے حادثہ کا سبب بھی یہی فیصلہ بنا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اور اس کے ساتھی اسلام کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیں گے۔

لیکن اس فیصلہ سے ان کا مقصد اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے سوا اور کچھ نہ تھا جس طرح سے بھی ہو بے کس عوام کا خون چوسنا ہی ان کا مطمع نظر تھا۔

اب جبکہ اسلام کی طاقت نے ان کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کر کے' معاشرہ کے ظالمانہ نظام کی کمر توڑ کر اسلام کے عادلانہ نظام کو فروغ دیا تھا۔ ان کے لئے چارہ یہی رہ گیا تھا کہ وہ دریا کی دھار کے مخالف سمت میں تیرنے کی بجائے خود کو حالات کے مطابق ڈھال لیں۔

ان کے لئے اب یہی راہ رہ گئی تھی کہ وہ اسلام کا بہروپ اختیار کرلیں اور اسلام کے پردہ کے پیچھے اقتدار کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی طرف منتقل کرنے کی سازشیں کریں۔

اور اب ان کا نظریہ یہی تھا کہ بظاہر مسلمان ہوا جائے اور پھر اسلامی فوج میں رہتے ہوئے اپنی زیر زمین سرگرمیاں جاری رکھی جائیں اور اس طرح سے اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی جائے۔

ابو سفیان نے اس حساس موقعہ پر یہ فیصلہ کیا اور ابن عباس کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اسلام لے آیا۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکے میں وارد ہوئے اور کسی قابلِ توجہ مقابلہ کے بغیر ہی مکہ فتح کرلیا۔ اسلام کی جڑیں مکہ میں مضبوط ہوگئیں اور باطل طاقتیں نیست و نابود ہو گئیں۔ صرف اسلام اور عدالتِ اسلامی کی امت پر حکمرانی ہوگئی۔

ابو سفیان جیسے لوگ ایک کونے میں چھپے رہے۔ وہ کسی ایسی فرصت اور موقع کے منتظر تھے جب وہ دوبارہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں۔ جب تک پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ تھے' ایسا موقع ان کے لئے فراہم نہیں ہوا۔ کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عدالت کے اصولوں کی بہت سختی سے پابندی کرتے اور کرواتے تھے۔ کاموں کو باصلاحیت افراد ہی کے سپرد کرتے تھے۔ ایسے حالات میں ابو سفیان جیسے لوگ جن کی گزشتہ زندگیاں اسلام اور انسانیت کی مخالفت میں گزری تھیں خود کو نمایاں نہیں کر سکتے تھے۔ جو لوگ قدرت و اقتدار کے شیفتہ و شیدا تھے وہ رسولِ خدا صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کی زندگی ہی میں پس پردہ چھپ کر سازشیں تیار کر رہے تھے تاکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس دنیا سے رحلت کے بعد ان سازشوں پر عمل درآمد کر سکیں۔ رفتہ رفتہ اس کا انتظام ہو رہا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کی کوئی نمایاں شخصیت اگر باقی تھی تو وہ تھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات' وہی علی علیہ السلام کہ جن کی سابقہ زندگی درخشاں' جن کی روح عدالت کی خواہاں اور جن کی ذات انسانیت کی دوست تھی۔

علی علیہ السلام ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصِ صریح اور ذاتی فضائل کی بناء پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد منصبِ جانشینیٔ پیغمبرؐ کے لئے سب سے زیادہ سزاوار تھے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ علی علیہ السلام' نورِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پرتو ہیں۔ ان کی شخصیت ابو سفیان جیسوں کو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے راستہ سے انحراف کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر علی علیہ السلام سب انتظام سنبھال لیں تو وہ محمدؐ کے راستہ پر ہی چلتے رہیں گے اور اس طرح اسلامی معاشرہ میں عدالت پھر ویسے ہی پوری طرح پھیلی رہے گی۔

ایسی صورت میں اموی خاندان کو کوئی موقع نہیں ملے گا اور ابو سفیان اپنے خول سے باہر نہیں آ سکے گا۔ یوں بنی امیّہ کے فاسدوں کو اسلامی سنتوں کی موجودگی میں سر اٹھانے کا موقع نہ مل پائے گا۔

بس اسی ایک مشکل پر پوری توجہ دینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام کو حکومت سے محروم کر دیا جائے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت ہو چکی تھی۔ اب تمام سازشوں کا رخ بس اسی جانب تھا۔ آخرکار ان سازشوں نے اپنا کام کیا اور علی علیہ السلام ظاہری خلافت سے محروم ہو گئے۔ بند راستے کھل گئے۔ ابو سفیان جیسے لوگ اپنی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

تاریخ ہمیں ایک قصّہ سناتی ہے جو بہت دلچسپ اور قابلِ توجہ ہے۔

معاویہ شام میں

تاریخ کہتی ہے کہ:

حضرت ابو بکر کی خلافت کے ابتدائی ایام تھے۔ ابو سفیان مایوسی کے عالم میں علی علیہ السلام کے گھر سے لوٹ رہا تھا۔ راستہ میں قاصد سے اس کی ملاقات ہوئی۔

حضرت ابو بکر ابو سفیان سے ملاقات کے خواہشمند تھے۔ ابو سفیان بھی علی علیہ السلام کے ساتھ کسی معاہدہ سے مایوس ہونے کے بعد اب حضرت ابو بکر سے ملنا چاہ رہا تھا۔

یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اس ملاقات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شام کی حکومت ابو سفیان کے بیٹے کو مل جاتی ہے۔ دستخط ہو جاتے ہیں۔ امید کے دریچے کھل جاتے ہیں' افق پر روشنی نمودار ہوتی ہے' حکومتِ شام کا حصول آئندہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے ایک بہترین وسیلہ تھا۔

ابو سفیان کے پہلے بیٹے نے چند روز شام پر حکومت کی۔ اس کے بعد ابو سفیان کا دوسرا بیٹا شام کا حاکم مقرر ہوا۔ معاویہ نے شام میں اسلام کو اپنی مرضی

کے سانچہ میں ڈھالا اور اسی کے مطابق عوام کی تربیت کی۔ وہ بڑا چالاک اور دھوکہ باز آدمی تھا۔ اس نے ابتداء ہی سے اپنی خلافت کے لئے راستہ ہموار کرنا شروع کردیا تھا۔

معاویہ شام میں کسی رکاوٹ کا سامنا کئے بغیر اسلام اور انسانیت کے خلاف اپنی روش پر چل رہا تھا۔ خلفاء یکے بعد دیگرے جا رہے تھے۔ ابوبکر کے بعد عمر منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد عثمان خلیفہ مقرر ہوئے لیکن معاویہ اس تمام عرصہ امیرِ شام کی حیثیت سے باقی رہا۔

اپنے تمام دورِ حکومت میں اس نے وفاقی حکومت سے خوف کھائے بغیر دولت و ثروت کو جمع کیا۔ اور دوسری طرف بہت سے سیاسی لوگوں کو وعدہ اور لالچ کے ذریعہ اپنی طرف مائل کرلیا۔ اس سلسلہ میں وہ کسی قسم کی کوشش سے باز نہیں رہا۔ بے تحاشہ پیسہ خرچ کرتا تھا۔ وہ لوگوں کے دلوں کو طولانی مدت کے وعدے دے کر اپنی جانب مائل کرلیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے بہت سے بزرگانِ قوم کو اپنا حامی بنالیا تھا۔

عثمان اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں اور علی علیہ السلام منصبِ خلافت پر فائز ہوتے ہیں۔

علی علیہ السلام کو بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔ اموی خاندان نے خلفاء کے زمانے میں خصوصاً دورِ خلافتِ عثمان میں ملنے والی فرصت سے کافی فائدہ اٹھایا تھا اور بہت سے منصب انہیں حاصل ہو گئے تھے۔ وہ اسلام کے پرچم تلے زمانۂ جاہلیت کے اپنے اقتدار کو واپس لانا چاہتے تھے اور بری طرح لوٹ مار میں مصروف تھے۔

انہوں نے "بیت المال" کو بھی اپنے تصرف میں لے لیا تھا حالانکہ وہ تو مملکت کے عوام کا حق تھا۔ اسلامی معاشرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں عدالت کا جو بول بالا تھا اب اس کی جگہ ظلم و ستم نے لے لی تھی اور قریب تھا کہ وحی کی آواز اور اس کا عدالت بخش اثر خاموشی اور نابودی میں تبدیل ہو جائے۔

ان حالات میں علی علیہ السلام مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ ظاہر ہے کہ علی علیہ السلام ستم کو ابھرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتے تھے اور نہ ہی وہ اس بات کی اجازت دے سکتے تھے کہ معاویہ جیسے افراد عوام پر حکومت کریں۔

خود معاویہ نے پہلے سے ان باتوں کو سوچ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک دن اسے علی علیہ السلام کے مدِمقابل آنا پڑے گا۔ معاویہ اس مقابلہ کو ضروری سمجھتا تھا کیونکہ وہ خود کو بھی پہچانتا تھا اور علی علیہ السلام کو بھی وہ جانتا تھا کہ علی علیہ السلام کی زندگی کے لائحہ عمل میں سازش اور لچک نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسے معلوم تھا کہ علی علیہ السلام حق و عدالت کے معاملہ میں بہت سخت ہیں۔ وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ اگر علی علیہ السلام کو خلافت مل گئی تو وہ اپنی مرضی کے مطابق آزادانہ طور پر کام نہیں کر سکے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح سے بھی ہو عوام پر حکومت کرتا رہے۔ اور شام کی حکومت اسی کے قبضہ میں رہے۔

اس لئے وہ علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنا ضروری سمجھ رہا تھا اور اس نے اس کے لئے بہت پہلے سے تیاری کر رکھی تھی۔

اس نے مسلسل پروپیگنڈوں اور دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے ذریعہ شام کے لوگوں کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں بدگمان کر دیا تھا۔

علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے اسے شام ہی کے لوگوں سے استفادہ کرنا تھا۔ اسے شامی فوجیوں ہی کی ہمراہی میں علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے جانا تھا اور یہ استفادہ اسے صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ شام کے لوگ علی علیہ السلام سے بدگمان ہو جائیں۔

وہ اس بدگمانی کو مکر و فریب پر مبنی پروپیگنڈے کے ذریعہ عوام میں پھیلانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ بدگمانی کس حد تک پھیلی' اس کا اندازہ لگانے کے لئے ہم تاریخ کا ایک جملہ نقل کئے دیتے ہیں۔

تاریخ کہتی ہے کہ جب مسجد کوفہ میں حالتِ نماز میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سر پر ضربت لگنے کی اطلاع شام پہنچی تو شامی بہت حیرت زدہ ہوئے۔ وہ تعجب سے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ "تعجب ہے وہ نماز بھی پڑھتا تھا؟" "ارے کیا وہ مسجد بھی جاتا تھا؟" معاویہ کے پروپیگنڈے نے لوگوں کے افکار کو اس حد تک مسموم کر دیا تھا۔

بہر حال وہ شام کے لوگوں میں ایسے جذبات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دوسری طرف جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوا کہ وہ مال و دولت اور وعدہ و وعید کے ذریعہ بااثر لوگوں کو اپنا طرفدار بنا چکا تھا۔ اس کے علاوہ اپنی حکومت کے دوران اس نے بہت سی دولت بھی اکٹھا کر لی تھی۔ وہ دولت و ثروت کو ذخیرہ کرنے کے لئے بیت المال اور عمومی ملکیت کی چیزوں کو بھی تاراج کر دیتا تھا۔ کسی بھی پابندی کے بغیر جس طرح بھی اس سے ممکن ہوتا وہ پیسہ جمع کرتا تاکہ ضرورت کے وقت اور علی علیہ السلام سے جنگ کے موقع پر وہ اقتصادی طور پر

کسی تنگی کا شکار نہ ہو۔

یزید خلیفہ کی حیثیت سے

معاویہ نے جنگ کی ہر طرح سے تیاری کر رکھی تھی۔ علی علیہ السلام نے حکومتِ اسلامی کی باگ ڈور سنبھالی اور سب سے پہلے غیر صالح اور نااہل حاکموں کی معزولی کی طرف توجہ دی۔ ان حاکموں میں معاویہ کا نام سرفہرست تھا۔

لیکن معاویہ نے سب کچھ پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا۔ اس نے وفاقی حکومت کے اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے عنوان سے علی علیہ السلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گیا۔

ابو سفیان نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا بیٹا معاویہ بھی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر خلیفۂ مسلمین علی علیہ السلام کے خلاف جنگ پر تل جاتا ہے۔

معاویہ اور علی علیہ السلام کی جنگ کسی موقع پر رکنے والی جنگ نہ تھی علی علیہ السلام کے پیشِ نظر حق و عدالت تھی اور معاویہ کی نظروں میں حکومت اور اقتدار۔

علی علیہ السلام حکومت تو کیا اس سے بھی بڑی چیز کو حق و عدالت پر قربان کر دیتے تھے۔

اور معاویہ ہر چیز کو حتیٰ کہ حق و عدالت کو بھی حکومت پر قربان کر دیتا تھا۔ یہ دو فکریں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ یہ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے سے مصالحت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح اس جنگ کو بھی ہمیشہ ہی چلتے رہنا تھا۔

تاریخ نے اس جنگ کو مختلف انداز اور پیرایوں میں ہمارے لئے نقل کیا ہے

جنگِ صفین اس جنگ کی ایک جھلک ہے۔

معاویہ نے کبھی بھی حق و عدالت کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے اور علیؑ نے بھی کبھی اس کی طرف صلح کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ علی علیہ السلام کی طرزِ فکر اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرز فکر تھی، اور معاویہ کی طرز فکر خاندانِ بنی امیہ کی طرزِ فکر تھی۔ یہ دو طرزِ فکر ایک دوسرے کی ضد کے طور پر تاریخ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

ایک دن یہ تضاد ابو سفیان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقابلے پر لے آتا ہے تو ایک دن یہی تضاد معاویہ کو علی علیہ السلام کے مقابلہ پر لا کھڑا کرتا ہے لیکن یہ سلسلہ یہیں نہیں ختم ہو جاتا۔

علی علیہ السلام نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ معاویہ نے بھی موت کا مزہ چکھا لیکن ان دو متضاد فکروں کا سفر یہاں ختم نہیں ہوا۔

ہم علی علیہ السلام و معاویہ کے بعد حسینؑ و یزید کے دو نام اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔

فکرِ علی علیہ السلامؑ حسین علیہ السلام کے قالب میں ڈھل جاتی ہے اور فکرِ معاویہ یزید کا بہروپ اختیار کر لیتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح حالات یزید کو حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیتے ہیں۔

اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں تاریخ ہی سے مدد لینا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں واپس معاویہ کے دور میں لوٹنا پڑے گا۔

علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ اپنی چالبازی اور شیطنت کے سبب خلافت کا منصب اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے مسندِ

حکومت پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی دیرینہ آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ اب وہ چاہتا ہے کہ یہ مسند جسے حاصل کرنے کے لئے اس نے جان توڑ محنت کی ہے۔ اس کے خاندان میں ایک گراں بہا میراث کے طور پر باقی رہے۔

معاویہ نے چاہا کہ اسلامی سنت کے خلاف' خلافت کو میراث کے راستہ پر ڈال دے تاکہ اس کے بعد اس کا بیٹا یزید بھی اس سے بہرہ مند ہو سکے۔

معاویہ اپنے بیٹے یزید سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اسی محبت میں اس نے فیصلہ کیا کہ اپنے بعد خلافت کو اپنے بیٹے کے نام لکھ دے۔

اور یہ مسئلہ بہت دشوار تھا۔ اسلامی معاشرہ میں یزید ایک فاسق و فاجر اور شراب خور کی حیثیت سے مشہور تھا۔ بڑا مشکل نظر آتا تھا کہ مسلمان عوام اس کی خلافت کو قبول کریں اور اس کے گنہگار ہاتھوں میں بیعت کا ہاتھ دیں۔

لوگوں کو ابھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ یاد تھا۔ ابھی پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات ان کے کانوں میں گونج رہے تھے' ٹھیک ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد معاشرہ غلط راستوں پر چل پڑا تھا لیکن پھر بھی اب تک خلفاء اسلامی آداب اور سنتوں کا لحاظ رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ جن لوگوں نے علی علیہ السلام کی حکومت کے دور کو دیکھا تھا اور ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا مشاہدہ کیا تھا' کس طرح سے وہ یزید جیسے شخص کو جانشینِ پیغمبرؐ کی حیثیت سے قبول کر سکتے تھے۔ اور کس طرح اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر سکتے تھے۔ وہ یزید جو کھلے عام شراب پیتا تھا اور سب کے سامنے عیش و نوش کی محفلوں میں شرکت کرتا تھا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کو حسین علیہ السلام جیسی محبوب اور بافضیلت شخصیت میسر تھی۔ حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے بھلا کوئی کیسے ولی عہد کے طور پر یزید کا نام پیش کر سکتا تھا۔ کیا مسلمانوں کی بزرگ شخصیتیں جو زیادہ تر مدینہ میں آباد ہیں۔ یزید کو قبول کرلیں گی؟ ان کا ردِّعمل اس سلسلہ میں کیا ہو گا؟ یہ وہ مسائل تھے جن کی فکر معاویہ کو لگی ہوئی تھی۔ وہ اس سلسلہ میں بہت فکر مند تھا۔

وہ نہ صرف بخوبی جانتا تھا کہ اس کا بیٹا اس اہم مقام کے لئے صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا بلکہ اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ یزید خود بھی اس کام کو سنبھال نہیں سکے گا۔

لیکن وہ یزید کی محبت کا مارا تھا اور اسی شدید محبت کے سبب آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان تمام مشکلات کے باوجود لوگوں سے یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں بیعت لے گا۔ اس بات کو معاشرتی سطح پر قابل قبول بنانے کے لئے اس نے اپنے سرکاری عہدیداروں کو حکم دیا کہ وہ عوام کی طرف سے خلیفہ کو خطوط لکھیں اور اس سے مطالبہ کریں کہ وہ اپنا جانشین معین کرنے کے لئے اقدام کرے اور جانشینی کے لئے یزید کا نام پیش کریں۔

یہ حکم ان تک پہنچا۔ اگرچہ اسلامی معاشرہ کے لئے اس بات کو ہضم کرنا بہت دشوار تھا لیکن معاویہ کے کارندوں نے اپنی کوششیں تیز کردیں اور مسلسل پے در پے خطوط خلیفہ کی مرکزی حکومت اور معاویہ کے نام پہنچنے لگے' معاویہ سے جس قدر ممکن تھا۔ اس نے اس سلسلہ میں حالات کو سازگار کیا اور اس کام میں اس کو تین سال لگ گئے۔

کتاب "معصومِ چہارم" نے یزید کے ولی عہد بننے کے قصے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"ان تین سالوں میں معاویہ خاموش نہیں بیٹھا تھا۔ وہ خود بھی عمومی اور خصوصی نشستوں میں یہ بات کہتا تھا کہ میں یزید کو اپنی جگہ بٹھانا چاہتا ہوں اور اپنے کارندوں کو بھی اس نے کہہ رکھا تھا کہ اس تلخ بات کو وہ شام کے لوگوں سے کہتے رہیں تاکہ رفتہ رفتہ لوگوں کا گنہگار ذوق اس تلخی کا عادی بن جائے۔

معاویہ بہت ہوشیار تھا۔ ان تین برسوں میں وہ کبھی دولت کے زور سے اور کبھی طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کو تیار کرتا رہا اور ۳۶ھ کے نصف میں اس نے ایک دم فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنی تین سال کی کوششوں کا نتیجہ دیکھے گا۔

بدھ کے دن پندرہ جمادی الثانی ۳۶ھ کو معاویہ نے دمشق کے وزیر اعلیٰ ضحاک ابن قیس کو عبد الرحمٰن ابن عثمان ثقفیؓ عبد اللہ ابن عصام اشعری اور ثور ابن معن السلمی سمیت اپنے حضور طلب کیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کل جامع مسجد کے منبر پر جاؤں اور ولی عہد کے بارے میں بات کروں۔ تم لوگ اپنی ذمہ داری سے آگاہ رہو اور تائید کے موقع پر اپنی ذمہ داری سے اجتناب نہ کرنا۔

اس دن جمعرات کو مہینہ کی پندرہ تاریخ تھی۔ دمشق کی جامع مسجد کی رونق اور شان شوکت دیکھنے کے قابل تھی۔ مسجد شام اور عراق کے لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ حجاز اور یمن کے خاص خاص افراد بھی موجود تھے۔ معاویہ منبر پر بیٹھ کر تقریر کر رہا تھا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت خلفاء کی حکومت اور آیتِ مبارکہ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" کی تفسیر سے بات شروع کرتے ہوئے دامنِ سخن کو اپنی ذات تک لے آیا۔ اس کے بعد زمانہ

کے بیت جانے' سیاسی اور معاشرتی حالات' اپنے بڑھاپے اور اپنی یقینی موت پر کچھ دیر رویا اور پھر بولا۔ مسئلہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت کی ذمہ داری مجھ پر آگئی ہے اور میں مسلمانوں کو چرواہے سے محروم گلہ کی صورت میں گمراہی کے میدان میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اسی ذمہ داری نے مجھے آمادہ کیا کہ میں اپنی زندگی ہی میں موت کے بعد کے حالات کا انتظام کر جاؤں اور اس سلسلہ میں میں نے یہ مصلحت دیکھی کہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد کے طور پر مقرر کروں۔ مجھے ذرہ برابر بھی خدشہ نہیں ہے کہ آج کی اتنی بڑی سلطنت میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا ملے جو اس اقدام کو قبول نہ کرے۔

"کیا ایسا نہیں ہے؟"

اب ضحاک ابن قیس' عبد الرحمٰن ابن عثمان اور معاویہ کے خصوصی مشاوروں کے کام کا وقت تھا۔

ضحاک اپنی جگہ سے اٹھا' اس نے کہا: "یا امیر المومنین! آپ کا یہ اقدام بہترین' مفید ترین اور ملتِ مسلمہ کے لئے مناسب ترین اقدام ہے۔ آپ کے دورِ خلافت میں یہ آپ کا سب سے اچھا اقدام ہے۔"

یزید سمجھ دار' عالمِ باعمل' شریف اور پاک دامن ہے۔ یزید کے دور میں حکومت کی طاقت میں مزید اضافہ ہو گا اور مملکتِ اسلامی کی وسعت و شوکت اور بڑھے گی' حقیقت یہ ہے کہ آج عربستان کی وسیع و عریض مملکت میں کوئی بھی یزید کا رقیب نہیں ہے۔"

ضحاک کے بعد عبد الرحمٰن ثقفی نے' اس کے بعد عبد اللہ ابن عصام نے اور اس کے بعد ثور ابن معن نے پہلے سے تیار شدہ اور رٹے ہوئے یزید کے

فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ پیش کئے۔

ایسے میں ایک شخص اپنی جیب گرم کرنے اور چاپلوسی کے خیال سے مسجد کے درمیانی حصہ سے اٹھا اور پکارا:

"اے خلیفہ! آج آپ امیر المومنین ہیں۔ آپ کے بعد یزید امیر المومنین ہیں جو بھی اس بات کو قبول نہ کرے اس کی سزا' اس کے ذریعہ ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔

معاویہ نے اس کی اس بات پر تعریف کی لیکن دل ہی دل میں پسند نہیں کیا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ جس طرح سے وہ چاہتا تھا اس طرح یہ جادو لوگوں میں اثر نہیں کر رہا ہے۔ ضحاک' عبد الرحمٰن اور دیگر چند لوگوں نے جو اس کی تائید میں سخن سرائی کی وہ تو خود اس کے مہرے تھے۔ کسی نے مخالفت تو نہیں کی لیکن ایک وحشت آمیز سکوت مسجد کی فضاء پر چھایا ہوا تھا۔ معاویہ کو یہ سکوت برا لگ رہا تھا۔ اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ لوگ اندر ہی اندر اس اقدام سے نفرت کر رہے ہیں لیکن وحشت اور خوف و ہراس کے سبب کوئی اس کے خلاف ایک جملہ بھی زبان پر لانے سے قاصر ہے۔ معاویہ کے لئے بڑی مشکل یہ تھی کہ یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں یہ منفی ردِ عمل اسلامی مملکت کے تمام شہروں میں نظر آرہا تھا۔ کوفہ ہو یا مدینہ' مکہ ہو یا کوئی اور شہر کہیں بھی تو یزید کی ولی عہدی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا گیا۔ یہ مسئلہ ہر جگہ سرد مہری کا شکار ہو گیا۔ یہ سرد مہری مدینہ' کوفہ اور مکہ میں زیادہ محسوس ہو رہی تھی لیکن معاویہ کو مدینہ ہی کی زیادہ فکر لاحق تھی کیونکہ اس وقت مدینہ میں حسین علیہ السلام جیسی شخصیت موجود تھی۔ ان کے علاوہ عبد اللہ ابن عمر' عبد الرحمٰن ابن ابو بکر اور عبد اللہ ابن زبیر مدینہ

میں تھے۔ یہ اسلامی معاشرہ کے چشم و چراغ تھے۔ سب لوگ اسلامی اصول کے خلاف اس عظیم حادثہ پر ان چاروں کا اور خصوصاً حسین علیہ السلام کا ردِّعمل دیکھنے کے منتظر تھے۔

معاویہ کے کارندے مختلف شہروں میں لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کیونکہ اس کا حکم تھا کہ جتنا جلدی ہو سکے وہ لوگوں سے بیعت لے لیں۔ اس سلسلہ میں والیٔ مدینہ مروان بن حکم کی ذمہ داری سب سے زیادہ مشکل اور حساس تھی کیونکہ اس کو ان چار شخصیتوں سے بھی بیعت لینا تھی۔ جنھوں نے بعض موقعوں پر خود کو خلافت کا حق دار ظاہر کیا تھا۔ معاویہ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے مروان نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ مسجدِ نبوی میں حاضر ہو جائیں۔ طے شدہ دن مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مروان منبر پر گیا اور معاویہ کا فرمان ان تک پہنچانے کے بعد لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس دن مروان نے یزید کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور اس کو باصلاحیت اور شائستہ انسان قرار دیا۔ ابھی وہ تقریر میں مشغول ہی تھا کہ اچانک ایک کڑک دار آواز نے اس کی تقریر کو روک دیا۔

"معصومِ چہارم" نامی کتاب کے مطابق عبد الرحمٰن نے کہا:

"بس کرو! بس کرو' اس قدر جھوٹ اور اول فول مت بکو' اے ابوالعاص کے بیٹے! تم جھوٹ بول رہے ہو اور جس نے تمہیں اس بے ہودہ کام کا حکم دیا ہے وہ تم سے زیادہ جھوٹا ہے۔ میں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قسم کھاتا ہوں کہ یزید ابن معاویہ نہ تو صالح ہے' نہ سمجھ دار ہے اور نہ ہی طاہر ہے۔ یہ صفتیں جنھیں تو نے یزید کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یزید ان سے

بہت دور ہے۔ یہ محال ہے کہ ہم یزید ابن معاویہ کو خلافت کے لئے چن لیں؛ محال ہے کہ ہم اس کی بیعت کریں۔"

عبدالرحمٰن نے اپنی بات پوری کی اور اس کے فوراً بعد لوگوں میں ایک عجیب سا ولولہ پیدا ہو گیا۔ مسجد میں افراتفری پھیل گئی۔ بیعت لینے کا کام ادھورہ رہ گیا۔ مروان نے اس حادثہ کی رپورٹ تفصیل کے ساتھ معاویہ کو لکھ بھیجی اور اپنی آئندہ ذمہ داری کے بارے میں پوچھا۔ اس خط کے بعد معاویہ نے ارادہ کیا کہ وہ خود مدینہ جائے اور حالات کا نزدیک سے مشاہدہ کرے' معاویہ مدینہ گیا اور پھر وہاں سے مکہ گیا ان دو شہروں میں اسے حسین ابن علی علیہ السلام اور دیگر شخصیتوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود اس نے یزید کے لئے بیعت لینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اس طرح سے سب کو معلوم ہو گیا کہ حسین ابن علی علیہ السلام' یزید کی ولی عہدی سے موافقت نہیں رکھتے انہوں نے بیعت نہیں کی ہے۔

معاویہ' مکہ و مدینہ کے سفر سے واپس لوٹا۔ ٦٠ ھ میں ان چار شخصیتوں سے اپنی بات منوانے کے لئے حج کے عنوان سے مکہ گیا لیکن اس سفر سے بھی اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ مایوسی کی حالت میں وہ واپس لوٹا لیکن راستے ہی میں بیمار ہوا اور دمشق پہنچنے کے بعد مر گیا۔

باپ کی موت کے فوراً بعد یزید خلیفۃ المسلمین بن کر تختِ حکومت پر جا بیٹھا۔ اس کو اب ابوسفیان اور معاویہ کے ادھورے کام کو آگے بڑھانا تھا۔ حسین علیہ السلام کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور علی' مرتضیٰ علیہ السلام کے مقصد کو لے کر آگے چلنا تھا۔ سب نے یزید کی بیعت کر لی اور اس

کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔ سوائے حسین علیہ السلام اور دیگر تین افراد کے۔

یہ بات یزید جیسے خود پسند اور مغرور شخص کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ یزید خاص طور پر حسین علیہ السلام سے جلتا تھا۔ کیونکہ حسین علیہ السلام غیر معمولی طور پر لوگوں میں محبوب تھے اور سب کی نظریں ان حالات میں ان ہی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ آیئے اب اگلے باب میں حسین علیہ السلام کے ردِّ عمل کو جاننے کی کوشش کریں۔

حادثہ کا آغاز

یزید مست تھا۔ جوانی کے نشہ میں مست' جاہ و جلال اور کرسی کے نشہ میں مست' شہوت اور شراب کے نشہ میں مست' انہی مستیوں میں وہ یہ چاہتا تھا کہ حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے سے پہلے ہی اپنے مشکل ترین مسئلے کو حل کر لے۔اس مسئلہ کو جسے اس کا باپ معاویہ اپنے پورے دورِ حکومت میں حل نہ کر سکا۔ اس طرح یزید آغازِ کار ہی میں اپنے لئے سب سے بڑی سیاسی کامیابی حاصل کرلینا چاہتا تھا۔

معاویہ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو اس سلسلے میں مجبور نہ کیا جائے۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کو یہ وصیت بھی کی کہ حسین علیہ السلام پر سختی نہ کرنا۔ حسین علیہ السلام کا سر ایسا نہیں ہے جو تجھ جیسے کے آگے جھک جائے۔ حسین علیہ السلام کی شخصیت ایسی نہیں ہے' جو تجھ جیسے کے رعب میں آجائے۔ معاویہ نے یہاں تک یزید سے کہا تھا کہ اگر حسین علیہ السلام تیرے خلاف سختی دکھائیں۔ تب بھی تیری مصلحت اسی میں ہے کہ تو انہیں نظرانداز کر دے۔ اور دیکھ اپنے پنجے کو حسین علیہ السلام کے مضبوط

پنجے سے لڑا مت دینا۔

لیکن یزید زندگی کی حقیقتوں سے دور اپنے خواب و خیال کے دریا میں غرق تھا اس نے حقیقت پر مبنی اس سیاسی نزاکت کو نظرانداز کر دیا اور اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں ہی میں اس خوف سے کہ کہیں حسین علیہ السلام اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھیں اور اس کے لئے دردِ سری فراہم ہو جائے اور اس کے عیش و نوش میں رخنہ پڑ جائے' اس نے پہلے ہی سے اس کا انتظام کرنا چاہا اور فوراً ہی ایک خط والیٔ مدینہ ولید ابن عتبہ ابن ابوسفیان کو لکھا۔ اس خط سے بے حد غرور ٹپک رہا تھا۔

اس نے اپنے باپ کی ڈھیر ساری تعریفوں کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ:

"میں حکم دیتا ہوں کہ اپنے علاقے مدینہ میں سنجیدگی اور پورے زور و شور سے کام کرو اور چھوٹوں اور بڑوں' نیک و بد تمام لوگوں سے مطالبہ کرو کہ وہ ہماری بیعت کی تجدید کریں' ہماری فرمانبرداری کا طوق اپنی گردن میں ڈالیں اور ہماری اطاعت میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کام میں تم ذرا سی جھجک اور تامل سے کام نہ لو۔"

یہ شوم اور شرم آور خط مدینہ پہنچا۔ اس میں حسین علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا تھا لیکن ولید سمجھتا تھا کہ ان کلمات کے پس پردہ یزید کا اصل مقصد کیا ہے۔ اس نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ بظاہر سادہ اور پرسکون خط بہت ہی شور و ہیجان کا سبب بنے گا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ خط ایک حادثہ کا آغاز ہے جس کا انجام نامعلوم ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یزید کا اصل مخاطب حسین علیہ السلام' عبد اللہ

بن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبد الرحمٰن ابن ابوبکر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اسے معلوم تھا کہ مدینہ کے لوگوں نے تو بارہا معاویہ کے زمانہ میں بیعت کی تھی اور اس کے بیٹے کو بطور ولی عہد قبول کر لیا تھا۔ صرف ان چار افراد نے اب تک یزید کی طرف بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اور اب تک مخالفت کر رہے تھے۔ ولید سمجھ چکا تھا کہ یزید کا اصل مقصد ان چار افراد سے بیعت لینا ہے۔

ولید کا خیال درست تھا۔ اس کا اندازہ یزید کے دوسرے خط سے یقین میں تبدیل ہو گیا۔

اس نے دوسرے خط میں لکھا تھا کہ:۔

حسین علیہ السلام، عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن زبیر کو سختی کے ساتھ بلاؤ اور ان سے مطالبہ کرو کہ وہ میری بیعت کریں اور ان کے بیعت کرنے تک ان پر سختی سے گریز نہ کرنا۔"

اس خط نے ذمہ داری کو واضح کر دیا۔ ولید نے خود کو ہر طرف سے بے بس پایا۔ ایک صریح لیکن ناقابل اجراء حکم اس کے سامنے تھا۔ بہت گہری سوچ اور بڑی شدید فکر میں ڈوب گیا۔ وہ حسین علیہ السلام کو بخوبی پہچانتا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت اور محبت سے باخبر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حسین علیہ السلام دینی معاملات اور اسلامی معاشرہ سے مربوط امور میں صاف گو اور ثابت قدم ہیں۔ وہ ہرگز یزید جیسے بیہودہ اور ہوس باز شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیں گے۔ مشکل تو یہ ہے کہ نہ تو مال و دولت اور عہدے کے ذریعہ انہیں ورغلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی طاقت کے زور پر مجبور کر کے انہیں جھکایا جا سکتا ہے۔

حسین علیہ السلام جیسی شخصیت کے واسطے ظالموں کے عام استعمال کے تمام حربے بیکار تھے۔

یہ بیعت کوئی معمولی بیعت نہیں ہے کہ جو یزید، حسین علیہ السلام سے لینا چاہتا ہے بلکہ اصل میں وہ شرف و فضیلت اور تقویٰ و حق کو جھکانا چاہتا ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے، علیؑ کے بیٹے، ایمان کے پیکر اور اسلام کے خلاصہ کو اپنے جیسے پست و رذیل شخص کے آگے جھکنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایمان کفر کے ساتھ، شرافت رذالت کے ساتھ اور حقیقت شیطنت کے ساتھ صلح کر لے؟ ہرگز نہیں! یہ ممکن نہیں ہے۔ خدا اور شیطان کا راستہ ایک نہیں ہو سکتا۔ حق و باطل کبھی آپس میں مل نہیں سکتے۔ حسین علیہ السلام اور یزید چاہے کتنا ہی زور لگایا جائے ایک دوسرے سے مربوط نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ یزید، پلید ہے اور حسین علیہ السلام پاک و پاکیزہ "ولا یمسہ الا المطہرون" لیکن پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ حکم تو بڑے دو ٹوک الفاظ میں ہے اور زیادہ تاکید حسین علیہ السلام ہی کے لئے ہے۔ ہاں اگر حسین علیہ السلام بیعت کر لیں تو کام پورا ہو جائے۔ دوسروں کو اس کے بعد پھر سر اٹھانے کی جرات نہ ہوگی۔

ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ کامیابی کا امکان سو فیصد منفی ہے، محض مرکزی حکومت کے فرمان کی تعمیل اور اپنی کرسی کی برقراری کے لئے مجبوراً اس نے اقدام کیا۔

عمر ابن عثمان کو حسین علیہ السلام اور دیگر تین افراد کو بلانے کے لئے بھیجا

حسین علیہ السلام اس بے موقعہ بلائے جانے کا مقصد سمجھ گئے وہ سمجھ گئے کہ کتنا نازک مرحلہ درپیش ہے۔ اپنی خاص فراست اور روشن بینی سے وہ جان گئے کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ دعوت بیعت کے علاوہ اور کسی چیز کے لئے نہیں ہو سکتی۔

دیگر تین افراد کے برخلاف حسین علیہ السلام عزم راسخ اور شجاعت سے بھرپور دل کے ساتھ ولید کے گھر گئے اور جیسا کہ اندازہ تھا بیعت ہی کا مطالبہ ہوا۔

ولید نے ایک ٹھنڈی اور گہری آہ بھر کر کہا:

"اے حسین علیہ السلام!"

"معاویہ دنیا سے رحلت کر چکے ہیں۔"

پھر بولا۔

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

"اور اب یزید کی بیعت کا مسئلہ سامنے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سب ہی نے اس کی بیعت کر لی ہے اور اس کو خلیفہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔

یزید نے جو خط مجھے لکھا ہے اس کے مطابق وہ آپ سے چاہتا ہے کہ آپ بھی اس کی حیثیت کو مان لیں اور اس کی حکومت کو تسلیم کر لیں۔"

والیٔ مدینہ ولید ابن عتبہ اسی طرح نرمی اور خوش روئی کے ساتھ، محبت بھرے انداز میں حسین ابن علی علیہ السلام سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے بڑے دل نشین انداز میں حسین علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں اور مخالفت نہ کریں۔ یہ مسئلہ حسین ابن علی علیہ السلام کے لئے بڑا اہم مذہبی

اور معاشرتی مسئلہ تھا۔

حسین علیہ السلام دوسروں کی طرح کوئی سادہ شخصیت نہیں تھے۔

معاشرے کی نظر میں وہ دنیائے اسلام کی سب سے اعلیٰ شخصیت تھے۔

فرزندِ علی علیہ السلام اور نواسۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے۔

بنی ہاشم جیسے شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

نگاہوں اور دلوں کی توجہ انہیں کی طرف تھی۔ خاص طور پر امتِ مسلمہ میں جانشینیٔ پیغمبرؐ اور خلافت کے مسئلہ میں لوگ حکومتِ یزید کے ساتھ حسین علیہ السلام کا ردِ عمل دیکھنے کے منتظر تھے۔

روحانی طور پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وارث اور امت کے امام و پیشوا تھے۔ امتِ مسلمہ کی رہبری خدا نے ان کے سپرد کی تھی۔ اور امامت کا منصب ان کے کاندھوں پر بہت سی اہم ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالے ہوئے تھا۔

سب لوگوں کا معاشرہ کے حالات اور واقعات میں ایک ہی جیسا ردِّ عمل نہیں ہوتا۔ مسئولیت اور فکری صلاحیت جتنی زیادہ ہو گی اور نظر جتنی زیادہ عمیق ہوگی اس کا مقام بھی اتنا ہی بلند ہو گا۔

۶۰ ھ میں امتِ مسلمہ کو معاویہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت کے مسئلہ سے دو چار ہونا پڑا۔

عام لوگوں کی فکریں محدود تھیں وہ حکومت، دولت اور طاقت کو خاندانِ بنی امیّہ میں یکجا دیکھ رہے تھے، اس لئے انھوں نے کسی مزاحمت کے بغیر گھٹنے ٹیک دیئے اور یزید کے ہاتھوں بیعت کرلی۔

لیکن،

حسین ابن علی علیہ السلام کی حیثیت دوسروں سے جدا تھی۔ وہ اس معاملے میں جو دراصل اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل سے تعلق رکھتا تھا، دوسروں جیسا ردِّ عمل نہیں دکھا سکتے تھے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی معاشرہ کی رہبری اور خلافت کوئی ایسا لباس نہیں ہے جو یزید کے قدو قامت پر پورا اترے۔

یزید ایک شہوت پرست اور اوباش جوان ہے وہ نہ صرف یہ کہ دین کی بنیادوں اور اس کے احکامات سے واقف نہیں ہے بلکہ وہ انسانیت اور شرف و فضیلت کے اصولوں سے بھی بے خبر ہے۔

وہ ایک ایسا شخص ہے کہ جو نہ تو عدالت کو پہچانتا ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کی قدر کرتا ہے۔

اس کی خلافت سے حکومت، عدالت کی نگہبان ہونے کے بجائے عدالت کی قاتل بن جائے گی۔

وہ ایک ایسا گنہگار شخص ہے جو ہمیشہ شراب کے نشے میں چور رہتا ہے۔

اس میں وہ اہلیت کہاں کہ پیغمبرؐ کا جانشین قرار پائے بلکہ اس میں تو اتنی اہلیت بھی نہیں کہ عوام پر حکومت کر سکے۔

کیونکہ اس طرح اس کے علیٰ الاعلان گناہ عوام کے لئے نمونہ عمل بن جائیں گے اور یوں معاشرہ بھی ہر طرف گناہوں میں آلودہ ہو جائے گا۔

کوئی بھی معاشرہ گناہوں سے پاک نہیں ہوتا۔

ہر معاشرہ میں اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ اس کے بعض افراد

گنہگار و منحرف ہوں۔

لیکن،

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک آدمی کا گناہ کب دوسروں تک منتقل ہوتا ہے اگرچہ اس قسم کے گناہ بالکل بے اثر نہیں ہوتے اور کسی نہ کسی حد تک بد بختی اور مزید گناہوں کا سبب بنتے ہیں لیکن ایسے گناہوں کا اثر معاشرہ کی جڑوں کو کاٹ کر اس کو تباہ کر دینے کی حد تک نہیں ہوتا۔

انفرادی گناہوں کو وعظ و نصیحت اور دیگر مناسب اقدامات کے ذریعہ عوام کی فکری سطح کو بلند کر کے ختم کیا جا سکتا ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاشرہ میں گناہ عمومی شکل اختیار کر لیتا ہے اور ملت کی بنیادوں کو ہلا دیتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب معاشرہ کے حاکم اور رہبر خود عدالت اور فضیلت کے راستے سے ہٹ جائیں اور خود گناہوں میں آلودہ ہو جائیں۔

انسانی معاشروں میں حاکم کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ طاقت ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور یہ مرکزی طاقت جس کے مختلف زمانوں میں مختلف نام رکھے گئے، اس بات کی ذمہ دار ہوتی ہے کہ اپنے رسوخ اور کنٹرول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ہر قسم کے تجاوز، ظلم اور گناہ کو پھیلنے سے روکے، عدالت کے اصولوں کی نگہبانی اور عوام کے حقوق کی پاسداری کرے۔ اس کام کو کرنے کی طاقت بھی عوام ہی سے فراہم ہوتی ہے۔

عدل و انصاف کی موت

عدل وانصاف معاشرہ کی روح ہے۔ کوئی بھی قوم عدل و انصاف کی فراہمی

کے بغیر پائیدار اور زندہ جاوید نہیں کہلا سکتی۔

عدل وانصاف کی موت سے معاشرہ کی موت حتمی ہو جاتی ہے۔

عدل و انصاف کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب معاشرہ کے امور کے نگراں حضرات اس کی حفاظت کے بجائے خود ظلم و فساد کرنے لگیں اور خود غلط راستہ پر پڑ کر عوام کی ناموس کی طرف ظلم کا ہاتھ بڑھائیں۔

اسی خطرناک لمحہ ظلم و فساد معاشرہ کے چپہ چپہ میں پھیل جاتا ہے۔ لوگ بھی معاشرہ کے سربراہوں کو اپنے لئے نمونہ عمل سمجھتے ہیں اور ان فاسد نمونوں کی دیکھا دیکھی خود بھی فاسد ہو جاتے ہیں ـــــ اس طریقہ سے گناہ عمومی سطح پر پھیل جاتا ہے' ظلم ہر جگہ نظر آتا ہے' عدل و انصاف کی موت واقع ہو جاتی ہے اور معاشرے سے محبت کے باہمی روابط ختم ہو جاتے ہیں۔

مرکزی حکومت کے سبب سے پھیلنے والا یہ فساد اور یہ گناہ جو معاشرہ کی تمام رگوں میں نفوذ کر چکا ہو' وعظ و نصیحت کے ذریعہ روکا نہیں جا سکتا۔ اس کے لئے کوئی اور طریقہ ہونا چاہئے۔

ایسا طریقہ کہ جو اپنی بھرپور طاقت سے ظلم و ستم کی تیز و تند موج کو منتشر کر دے اور جو معاشرے کے بگڑے ہوئے لوگوں کے لئے موت کا پروانہ ثابت ہو۔

یزید اموی خاندان کا ایک بہت ہی بگڑا ہوا شخص تھا جو اب مقام خلافت پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ حسین ابن علی علیہ السلام کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرے اور ان سے بھی اپنی خلافت کے لئے منظوری حاصل کرے۔

لیکن'

حسین ابن علی علیہ السلام بھی معاشرہ میں اپنے روحانی منصب کے پیشِ نظر ایک بڑی ذمہ داری کا احساس کر رہے تھے۔ وہ بیعت کی بات پر نہ صرف یہ کہ راضی نہ ہوئے بلکہ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں سختی کے ساتھ ایسی باتیں ارشاد فرمائیں کہ جن سے ہمیں انقلابِ حسینیؑ کی وجہ اور کربلا کے حادثہ کا راز سمجھ میں آتا ہے۔

انہوں نے والیٔ مدینہ ولید ابن عتبہ سے فرمایا:۔

"اے ولید تم کیا کہتے ہو۔ یہ تو ہم ہی ہیں جو خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارا ہی تو گھر فرشتوں کی گزرگاہ اور ان کے آنے جانے کی جگہ ہے۔ خدا نے کائنات کے وجود کا ہم سے آغاز کیا اور خاتم ہونے کی مہر بھی ہم پر ثبت کی ہے۔

- تم کہتے ہو کہ میں یزید کی بیعت کر لوں!!
- یزید!

وہی شہوت اور ہوس کا پجاری اور شراب میں مدہوش۔

- وہی پلید ذات کہ جس کے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہیں۔
- وہی شوم ہستی کہ جو انتہائی بے پروائی کے ساتھ علیَ الاعلان جرم و جنایت اور فسق و فجور کی مرتکب ہوتی ہے۔
- یہ محال ہے..... مجھ جیسا شخص اس جیسے شخص کی بیعت ہرگز نہیں کرے گا اور اس کو خلیفہ تسلیم نہیں کرے گا۔"

حسین علیہ السلام نے اپنے مخصوص بے خوف اور کھرے لہجے میں ولید کے سامنے سے پردوں کو ہٹایا اور صراحت سے یہ اعلان کر دیا کہ یزید جیسا

گنہگار اور منحرف شخص مقامِ خلافت کا اہل نہیں ہے۔ یزید جیسے ہوس باز اور فاسد جوان کے ہاتھوں میں امتِ اسلامی کے امور نہیں دیئے جا سکتے کیونکہ وہ اپنی آلودگیوں اور انحرافات کی فراوانی میں معاشرہ کو بھی لپیٹ لے گا۔

یزید نے اپنی حکومت میں عدل و انصاف ہی کو جو کہ معاشرہ کی روح ہے۔ ظلم کا نشانہ بنایا۔

کیا وہی یزید نہیں ہے جو اپنے باپ معاویہ کے زمانے میں ایک خوبصورت عورت کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ جس کا نام ارینب تھا۔

کیا ارینب شوہر دار اور شادی شدہ عورت نہیں تھی؟ کیا حق اور قانون اور عدل و انصاف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ یزید اس عورت کو اغواء کر کے اس سے گناہ کے مزے اٹھائے۔

لیکن وہ نہ تو حق و انصاف کو پہچانتا تھا اور نہ ہی اس کو قانون کا کوئی خوف تھا۔ اس نے اپنے باپ معاویہ کی مدد سے اس خوبصورت شادی شدہ عورت کو اغواء کر کے اپنے گھر لانے کی چالیں چلیں۔ اگر حسین ابن علی علیہ السلام اس عورت کو بچا نہ لیتے تو یزید اس عورت کے سلسلے میں اپنی چالوں میں کامیاب ہو جاتا اور اس طرح اپنی گندی ہوس کی خاطر ایک گھرانے کو بدبخت اور بدنام کر دیتا۔

آیا اسلامی معاشرہ کی باگ ڈور اس قسم کے گھناؤنے اور بے شرم شخص کے ہاتھ میں سونپی جا سکتی ہے؟

نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہ ممکن نہیں کہ حسین ابن علی علیہ السلام، یزید کی بدنام اور منحوس

حکومت کو تسلیم کر لیں اور خود اس کے آگے جھک جائیں۔ اس طرح سے تو یزید کی خلافت اور اس کے خیانت سے بھرپور مظالم کے سبب پورا اسلامی معاشرہ خراب ہو جائے گا۔

اگر خلافت اس کے پاس نہ ہوتی تو اس کا گناہ اس کی ذات تک محدود رہ سکتا تھا۔ کیونکہ انفرادی گناہ اجتماعی گناہ کی نسبت کم پھیلتا ہے۔

لیکن جب یہی یزید خلافت و حکومت کی مسند پر بیٹھ کر گناہ کرے، جب اسلامی خلافت کے مرکز میں شراب اور جوا کھلے عام ہو جائے۔ جب خود حاکم کا ہاتھ ظلم و ستم کے لئے کھلا ہوا ہو تو ایسے میں گناہ ہرگز محدود نہیں رہ سکتے۔

اس قسم کے گناہوں کا سیلاب خلیفہ کی خلوت گاہ سے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ پہلے محل اور محل میں رہنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور پھر اور آگے بڑھتا ہے، یہاں تک کہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جاتا ہے۔

یہ نجس سیلاب جہاں بھی پہنچتا ہے تباہی مچا کر رکھ دیتا ہے۔ معاشرہ گناہ اور فسق و فجور کے سلسلہ میں ہمت افزائی حاصل کرتا ہے۔ اس طرح پوری امت فساد کے سیلاب میں غرق ہو جاتی ہے اور معاشرہ زوال اور بدبختی سے نزدیک ہو جاتا ہے۔

اس طرزِ فکر کی بنیاد پر حسین ابن علی علیہ السلام نے دو ٹوک الفاظ میں فرمایا کہ:

"اے ولید! تم کیا کر رہے ہو۔ ہم ہی تو خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارا ہی تو گھر ہے جہاں فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں۔ خدا نے کائنات کے وجود کا آغاز ہم سے کیا اور خاتم ہونے کی مہر بھی ہم ہی پر ثبت کی۔ تم کہتے

ہو کہ میں یزید کی بیعت کرلوں! نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔"

حسین علیہ السلام جلال کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہیں پر اپنی بات ختم کی اور وہاں سے اٹھے اور اپنے گھر کی طرف چل دیئے تاکہ آخری فیصلہ کرلیں اور یزید کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری پوری کردیں۔

تاریخ دوراہے پر

تاریخ ایک عجیب دوراہے پر پہنچ جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فیصلہ، کوئی ارادہ، کوئی حادثہ یا واقعہ، معاشرہ اور ملت کی قسمت کو دگرگوں کرتا ہوا تاریخ کا راستہ ہی بدل دیتا ہے

۶۰ھ کے ماہِ رجب کی آخری تین راتیں ایسی ہی راتیں تھیں کہ تاریخِ اسلام ایک حساس دوراہے پر پہنچ چکی تھی۔ اس ہولناک رات میں اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا اور فیصلہ کرنے والا حسین ابن علی علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ یہ حسین علیہ السلام ہی تھے کہ جنہیں اس رات اپنی فکر کی الف بے آئندہ کی تاریخِ اسلام کو پڑھانی تھی اور اسلام کے راستہ کو واضح کر دینا تھا۔

تاریکی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا لطیف سکوت زمین سے لے کر آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ پورا مدینہ بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔

کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس وقت حسین علیہ السلام کے گھر میں اور خود حسین علیہ السلام کے سینے میں کیسا طوفان آیا ہوا ہے۔ وہ خود کو ایک دوراہے پر کھڑا دیکھ رہے تھے۔

ایک راستہ عظمت، شرف، بزرگی اور نتیجہ میں شہادت کا راستہ تھا اور

ایک راستہ ذلت کو اپنانے اور اس کے نتیجہ میں چند دنوں کی دنیاوی زندگی کو بچانے کا راستہ تھا۔

لیکن حسین علیہ السلام نے بہت پہلے ہی اپنا راستہ منتخب کر لیا تھا۔ ان کی روشن سوچ نے ان کو شہادت کا پرشکوہ راستہ دکھایا تھا۔ ان کی درخشاں فکر نے ان کی قسمت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور یہ وہی قسمت تھی جسے روزِ ازل ہی قضائے الٰہی کے قلم نے ان کی لہو رنگ سرخ زندگی کے صفحہ پر لکھ دیا۔

اس رات حسین علیہ السلام یہ سوچ رہے تھے کہ اب کام کس طرح سے شروع کیا جائے۔ یزید کے خلاف کس طرح سے اپنی کارروائی کا آغاز کیا جائے۔

ان کو بنی امیہ کے ایک ڈکٹیٹر کے خلاف اپنی کارروائی شروع کرنا تھی اور اسلام کے بھرے ہوئے دریا سے اس سیاہ اور سنگین رکاوٹ کو ہٹانا تھا۔

کیا گھمسان کی جنگ، اسلحہ اور جنگی سازو سامان کے ذریعہ اس کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے؟

میرا خیال ہے کہ اس سوال پر حسین علیہ السلام نے زیادہ فکر کی ہوگی۔

اس وقت کی دنیا گھمسان کی جنگ کے علاوہ مقابلہ کا اور کوئی طریقہ نہیں پہچانتی تھی۔ سب ہی لوگ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تلوار کی تیز دھار اور سپاہی کے طاقتور بازوؤں پر بھروسہ کرتے تھے۔

سرد جنگ

لیکن حسینؑ اپنے بھائی حسنؑ کے ساتھ لوگوں کی بے وفائی کو دیکھ چکے

تھے، وہ فرازِ تاریخ کو عبور کر کے جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں مسلمانوں کے حوصلہ کو یاد کر رہے تھے کہ کس طرح سے ان کے والد علی علیہ السلام کو چھوڑ کر لوگ معاویہ کے درہم و دینار کے عوض بک گئے تھے اور علی علیہ السلام کو معاویہ جیسے مکار دشمن کے مقابلہ میں بے یارو مددگار چھوڑ گئے تھے۔ ایسے میں حسین علیہ السلام آخر کس طرح لوگوں سے کوئی امید رکھ سکتے تھے۔

ان کے وجود میں غم و اندوہ گردش کر رہا تھا۔ ان کی روح مضطرب اور دل پریشان تھا۔

یہ اضطراب اور پریشانی زیادہ دیر تک نہیں رہی۔ کیونکہ ان کی گہری سوچ اور بھرپور صلاحیت نے بتا دیا تھا کہ گرم جنگ کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا ایک اور ترکیب ذہن میں آئی اور غم و اندوہ کی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔

وہ ترکیب کیا تھی اور حسین علیہ السلام نے کس بنیاد پر وہ ترکیب سوچی تھی۔ اس کو سمجھنے کے لئے آیئے ہم ۶۰ھ سے آگے بڑھتے ہیں۔ زمانہ کی نہر کو پار کرتے ہیں اور آج کی بیسویں صدی میں چلے آتے ہیں۔ اور موجودہ صدی کے طرزِ فکر اور جدید اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حسین علیہ السلام کے طریقہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہماری صدی کی ایک تازہ دریافت اعصابی اور نفسیاتی جنگ ہے۔ گزری ہوئی دنیا دشمن کو ٹھکانے لگانے اور جنگی مقاصد حاصل کرنے کے لئے گھمسان کی گرم جنگ ہی کو وسیلہ سمجھتی تھی۔ لیکن جب سے دلوں میں آزادی کی قدر بڑھی ہے اور جب سے عوام کی فکر کو قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا موقعہ ملا ہے، عوامی فکر کو شکست دینا اور اس کو اپنی مرضی کا تابع بنا کر رکھنا مکاتیب

فکر اور حکومتوں کی شکست کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئے ہیں۔

گزشتہ دنیا کو عوامی فکر کی طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ بڑی طاقتیں جس چیز کی اعتناء نہیں کرتی تھیں وہ یہی افکارِ عمومی کی طاقت تھی۔

بیسویں صدی میں جہاں معاشرے کے نازک پہلوؤں سے متعلق بہت سی اہم باتیں دریافت ہوئی ہیں وہیں ایک اہم بات یہ بھی دریافت ہوئی ہے کہ افکارِ عمومی کی طاقت ناقابلِ انکار ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی دنیا کے ریڈیو اسٹیشنوں سے اعصابی جنگ اور نفسیاتی جنگ کی موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور خوب پروپیگنڈے ہوتے ہیں۔ مختلف طرزِ فکر رکھنے والے لوگ پروپیگنڈوں کے ذریعے سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ قوموں کے اعصاب اور عوام کے افکار پر سوار ہو جائیں ان کی فکر کا رخ اپنے فائدہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے موڑ دیں اور اپنے دشمن کے خلاف ان کی فکر کو ابھاریں۔

نفسیاتی جنگ کا دوسرا نام سرد جنگ ہے اور اس جنگ کا میدان عوام کے اعصاب اور افکار ہیں۔

آج اگرچہ دنیا میں جنگی ہوائی جہازوں، توپوں اور ایٹمی دھماکوں کی ہولناک آوازیں اس طرح سے سنائی نہیں دیتی ہیں اور گرم جنگ کی ویسی خبر نہیں ہے لیکن ہر طرف سرد جنگ اور نفسیاتی لڑائی کا دور دورہ ہے، جس نے قوموں کے افکار کو اپنے لئے میدانِ جنگ قرار دیا ہے اور ایک ڈراؤنی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

حکومتوں کے مخالفین کے پاس چونکہ جنگی سازوسامان نسبتاً کم ہوتا ہے اور

وہ گرم جنگ نہیں لڑ پاتے ہیں اس لئے ان کے جنگ کرنے کا طریقہ یہی سرد جنگ ہے۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کی نظروں سے اپنے مخالف کو گرادیں اور عوامی افکار کو جلا دینے والی آگ کو اپنے حریف کے خلاف بھڑکا دیں۔

اس بناء پر سرد جنگ کا اصل میدان عوامی نظریات و خیالات ہیں اور اس جنگ کا ہتھیار پروپیگنڈا ہے۔

اچھی طرح سے کئے گئے پروپیگنڈے جو سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوں عوام کے ذہنوں میں ایک ایسا دھماکہ پیدا کر سکتے ہیں جس کی تخریبی صلاحیت پچاس میگا ٹن کے ایک ایٹم بم سے زیادہ ہو گی ـــــ دانشور کہتے ہیں ممکن ہے کہ ایک روز ایسا آئے کہ خونین اور گرم جنگ بالکل نہ ہو اور اس کی جگہ سرد جنگ لے لے۔ فوجی اسلحہ وسازوسامان کی جگہ پروپیگنڈے کے وسائل کو حاصل ہو جائے۔

حسین علیہ السلام افکارِ عمومی کو نابود کر دینے والی اس طاقت سے بے خبر نہ تھے انہوں نے وہی راستہ اختیار کیا جسے آج بیسویں صدی کی دنیا اختیار کر رہی ہے۔

ہمیں اس طرح سے سوچنا چاہئے کہ:

ٹھیک ہے فوجی اعتبار سے دشمن بہت زیادہ طاقتور ہے لیکن کیا اس کی یہ طاقت ملتِ مسلمہ کی عمومی فکری طاقت کے دباؤ کو برداشت کر سکے گی؟

کیا یزید میں اتنی طاقت ہے کہ اگر تمام لوگوں کے نظریات اس کے خلاف بھڑک اٹھیں تب بھی وہ لوگوں کے ہیجان کے طوفان کا مقابلہ کر کے خود کو اور اپنی حکومت کو بچا لے

ہرگز نہیں۔

پس کیا بہتر نہیں ہے کہ میں اپنی کارروائی کا آغاز ملتِ مسلمہ کے عمومی افکار کو برانگیختہ کرنے سے کروں اور اس طرح یہ کوشش کروں کہ یزید کا سیاہ اور شرم آور باطن لوگوں کے سامنے عیاں ہو جائے اور اُن کے خیالات اس کے خلاف ایک طوفان کی طرح بپھر اٹھیں۔

حسین علیہ السلام نے یزید سے مقابلہ کرنے کے لئے نفسیاتی جنگ کے میدان میں قدم رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا سرد جنگ میں بنیادی اور اہم ترین قوت عوام کی فکر ہوتی ہے اور اب حسین علیہ السلام کا ارادہ بھی یہی ہے کہ ایک صحیح اور موثر طریقے سے اموی خاندان کے سیاہ اور شرم آور باطن کو لوگوں کی نظروں میں آشکار کردیں اور ان کی فکر اور خیالات کو اس کے خلاف ابھاریں۔

مدینہ میں ہیجان

سرد جنگ کے لئے کلی طور پر تین اقدامات بہت ضروری ہوتے ہیں۔

۱۔ افکارِ عمومی کو ہیجان میں لانے کے لئے وسیلہ تلاش کرنا۔

۲۔ ایک قوی اور موثر بنیاد فراہم کرنا اور

۳۔ اس بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے تبلیغات کرنا اور اس طرح سے افکارِ عمومی کو طغیانی اور انقلاب کی حد تک بھڑکا دینا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے ان تینوں بنیادی اقدامات پر پوری توجہ دی۔ پہلا اور دوسرا اقدام انہوں نے خود اپنے ذمہ لیا اور تیسرے اقدام کی ذمہ داری اپنے بعد باقی رہ جانے والے وارثوں پر چھوڑ دی۔ ہم آئندہ صفحات میں

استدلال اور تشریح کے ساتھ سرد جنگ کے ان تینوں اقدامات کا ذکر کریں گے اور کربلا کے واقعات کو سامنے رکھ کر ان اقدامات کے سلسلے میں تحقیق کریں گے۔

سب سے پہلے حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنی تمام تر توجہ تین بڑے شہروں مدینہ، مکہ اور کوفہ میں لگائی۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے مرحلے میں ان تین بڑے اسلامی شہروں کے عوام کی توجہ پس پردہ ہونے والے واقعات پر لگائیں اور اس طرح اسلامی سیاست پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والے ان شہروں میں انقلاب کا راستہ ہموار کریں۔

لوگوں کے ذہنوں کو جھنجوڑنے کے لئے سرد جنگ کا ارادہ کر لینے کے بعد حسین علیہ السلام نے چاہا کہ ایک ہلکے پھلکے لیکن موثر اقدام کے ذریعہ مدینہ کے لوگوں کو حالات سے باخبر کر دیں اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کریں۔

اس کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ جب ۶۰ھ کے ماہِ رجب کو ختم ہونے میں دو دن باقی ہوں گے، جمعہ کا دن گزر کر رات میں مدینہ سے نکلیں گے اور مکہ کی طرف ہجرت کریں گے۔

یہ خبر حجاز کی تیز ہواؤں کی طرح فوراً ہی پورے مدینے میں پھیل گئی۔ سب نے جان لیا کہ پیغمبرؐ کے نواسے یادگارِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین ابن علی علیہ السلام راتوں رات مدینہ سے نکل کر بیابان کے راستے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

لوگوں میں خاص طور پر خاندانِ بنی ہاشم میں ایک عجیب ہیجان پیدا ہو گیا۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ حسین علیہ السلام پر حکومت کا دباؤ اس قدر

ہو گا کہ وہ راتوں رات بیوی بچوں سمیت حرمِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

آخر یہ پسِ پردہ کیا سیاست چلی جا رہی ہے؟ کیسا دباؤ اور کیسی دھمکیاں ہیں ؟ وہ کون سے حالات ہیں جو حسین علیہ السلام کو ایک غیر متوقع فیصلہ پر مجبور کر رہے ہیں؟

لوگوں کے دل پریشان اور مضطرب تھے ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آخری نشانی ان سے جدا ہو جائے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حسین علیہ السلام کسی ایسے راستہ پر قدم رکھیں۔ جس کی آخری منزل سے سب بے خبر ہوں۔

محمد حنفیہ نے اس ہولناک خبر کو سن کر بڑا گہرا اثر لیا ۔ وہ سب سے پہلے امام کی خدمت میں پہنچے اور اپنے بھائی حسین علیہ السلام سے گفتگو کرنے لگے۔

ان کے پیچھے پیچھے مدینہ کی خواتین خصوصاً بنی عبدالمطلب کے خاندان کی عورتیں تھیں جو اشک بار آنکھوں سے حسین علیہ السلام کو اس غیر متوقع فیصلہ سے روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

حسین علیہ السلام ان میں سے ہر ایک کو مناسب جواب دیتے رہے اور پس پردہ ہونے والے واقعات سے انہیں آگاہ کرتے رہے۔ بالآخر اپنے ایک بیان کے ذریعہ لوگوں کے ہیجان کو اس کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ اور وہ بیان یہ تھا۔

"میں مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہوں کیونکہ اموی خاندان اور ابوسفیان کا یہ وارث مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا خون اس

مقدس سرزمین پر گرے اور اس کے تقدس پر کوئی حرف آئے اور میرے جد پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرم کی حرمت پامال ہو جائے۔"

حسین علیہ السلام کا قتل کر دیا جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ مدینہ کے لوگ اسے سرسری نظر سے دیکھیں۔ انہیں جو محبت' پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم،علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہا السلام سے تھی وہ سب کی سب حسین علیہ السلام میں جمع ہو گئی تھی۔ حسین علیہ السلام ان کے امام اور ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یادگار تھے۔ وہ ان کو جان و دل سے چاہتے تھے۔

حسین علیہ السلام بھی لوگوں کی اس محبت سے ناواقف نہ تھے۔ شاید انہوں نے جان بوجھ کر یہ خبر انہیں دی تھی کیونکہ سرد جنگ کا واحد حربہ افکارِ عمومی میں ہیجان پیدا کرنا ہی ہے۔ہاں لوگوں کو بیدار ہو جانا چاہیے۔ اموی خاندان کا سیاہ باطن ان پر عیاں ہو جانا چاہیے۔ ان کو جان لینا چاہیے کہ یہ یزید جو خود کو جانشینِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سمجھتا ہے اور ان کا روحانی پیشوا بن کر ان پر حکومت کر رہا ہے کس قدر پلید اور ناپاک ہے۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے تک کو اور وہ بھی پیغمبرؐ کے حرم مطہر میں قتل کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتا۔

حسین علیہ السلام اپنے پہلے اقدام میں بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ وہ مدینہ کے لوگوں کو یزید کے خلاف ابھارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک غیر معمولی اور شدید ہیجان لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ آخر کار حسین علیہ السلام عورتوں اور بچوں کو لے کر شہر سے باہر نکل آئے۔

حسین علیہ السلام نے مدینہ کو ہیجان و اضطراب میں ڈوبا ہوا چھوڑ دیا اور مکہ کی طرف بڑھنے لگے۔

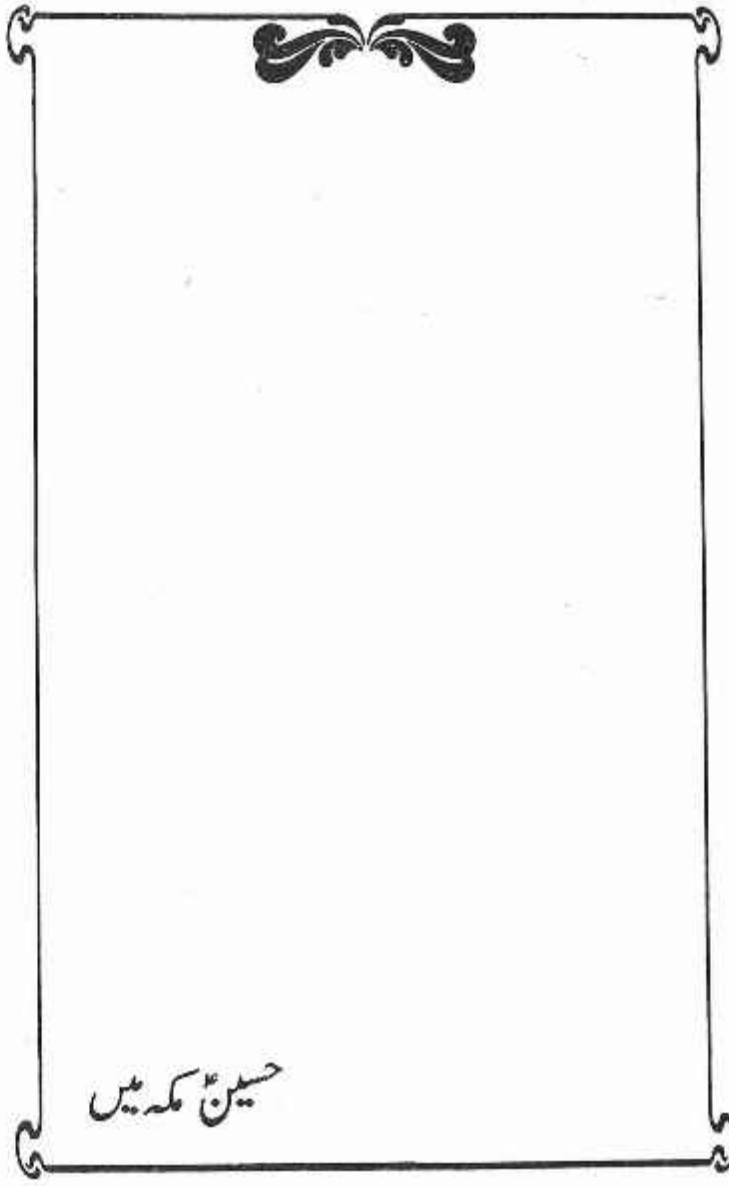
حسینؑ مکہ میں

حج کا موسم نزدیک تھا۔

اس موقع پر صحرا کے خانہ بدوش دور دراز کے علاقوں سے مکہ چلے آتے تھے ہر شہر اور ہر بستی کا ایک نمونہ اس عظیم اسلامی مرکز میں نظر آتا تھا۔ ایسے اہم موقع کو حسین ابن علی علیہ السلام نظرانداز نہیں کرسکتے تھے۔

کاروانِ حسینی رات کے سیاہ پردے کو چاک کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ قافلہ بڑھ رہا تھا تاکہ آزادی کے شیدا لاکھوں انسانوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرسکے۔ اونٹ اپنے یکساں قدم آہستہ آہستہ اٹھا رہے تھے اور بنی ہاشم کے جوانوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل اس قافلہ کو ایک نامعلوم منزل کی طرف لے جارہے تھے۔کون جانتا تھا کہ یہ چھوٹا سا قافلہ کیسے بڑے بڑے خونیں حادثات کا سبب بنے گا۔کون سمجھ سکتا تھا کہ یہ سر جھکائے ہوئے پرسکون جوان اپنی بے مثال جانبازی کا مظاہرہ کرکے طاقتور اموی خاندان کو اوقیانوسِ زمانہ میں غرق کردیں گے اور اسے نیست ونابود کرکے رکھ دیں گے۔

یہ صرف حسین علیہ السلام ہی تھے جو اپنے لائحہ عمل سے مطمئن تھے اپنے ارادے میں مصمم تھے اور تاریکی میں اطمینان سے قدم رکھتے ہوئے آگے

بڑھتے جارہے تھے۔ان کی عظمت کے آگے بیابان کی ہیبت معمولی معلوم ہورہی تھی۔مہیب تاریکی ان کے سامنے سے فرار ہورہی تھی۔ یہاں تک کہ پورے افق پر سفیدی کی ایک دھار سی بن گئی اور پھر رفتہ رفتہ کوئی ایسی چیز باقی نہ رہی کہ جو خون کا رنگ اختیار نہ کئے ہوئے ہو۔ گویا زمانہ چاہتا تھا کہ افق کی زبانی آئندہ کے واقعات کی پیشین گوئی کرے۔

آسمان پر سورج کا سرخ پرچم لہرا رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ اس قافلے کے لئے خطرہ کی علامت ہو اور چاہتا ہو کہ وہ جس راستہ پر چل رہا ہے اس پر آگے نہ بڑھے۔

لیکن افق پر جو کچھ ہورہا تھا اس کی پروا کئے بغیر حسین علیہ السلام اسی طرح آگے بڑھتے رہے وہ اپنے روشن مستقبل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس قافلہ نے راستہ میں پانچ مرتبہ اس سرخ پرچم کو افق پر دیکھا۔ پانچ بار سورج کے طلوع و غروب کا سامنا کیا اور آخر کار تین شعبان شبِ جمعہ کو بیت اللہ الحرام مکہ معظمہ میں وارد ہوا۔

حسین علیہ السلام کے مکہ پہنچنے کی خبر بہت جلد شہر میں پھیل گئی فرزندِ رسولِ خداؐ کو لوگ اپنے درمیان دیکھ کر مسرور ہورہے تھے۔ وہ ان کی خدمت میں پہنچ رہے تھے اور ان سے استفادہ کررہے تھے۔عبداللہ ابن زبیر جو خود بھی خلافت کا دعویدار تھا' حضرتؑ سے ملنے آیا وہ اگرچہ کہ حسین علیہ السلام کو مکہ میں دیکھ کر رنجیدہ ہوا تھا اور ان کو اپنے مقصد میں رکاوٹ سمجھتا تھا' مگر مجبور تھا کہ روز ان کی خدمت میں پہنچے اور اپنے خلوص کا مظاہرہ کرے۔

والیٔ مکہ' عمروابن سعید ابن عاص جو اشدق کے نام سے مشہور تھا' نے

جب حسینؑ کی مکہ والوں کے دل میں اتنی زیادہ وقعت اور قدر دیکھی تو وہ بھی مجبور ہوا اور لوگوں کو دکھانے کے لئے حسین علیہ السلام کے دیدار کو پہنچا۔

عبداللہ ابن مطیع جو بزرگانِ مکہ میں سے تھے مکہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے وہ اس وقت کے سیاسی حالات اور پسِ پردہ ہونے والے واقعات سے بھی بخوبی واقف تھے وہ بھی حسین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی سیاسی بصیرت کے مطابق حالات کا تجزیہ کرکے کچھ مشورے دینے لگے۔ انہوں نے یہ کہہ کر کہ مکہ حرمِ خدا اور امن کی جگہ ہے' حسین علیہ السلام سے وہیں رک جانے کے لئے اصرار کیا' انہوں نے کہا:

"آپ یہیں رک جائیں اور مکہ کے لوگوں سے اپنے لئے بیعت لے لیں۔موسم حج نزدیک ہے مسلمان حج کے مراسم ادا کرنے اس مقدس شہر میں آتے ہی ہیں آپ ان سے بیعت لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ ذمہ داری ٹھہراسکتے ہیں کہ وہ واپس اپنے اپنے قبیلوں میں جاکر دور دراز کے رہنے والے لوگوں سے بھی آپ کے نام پر بیعت لیں۔یمن کے رہنے والے بھی آپؑ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور آپؑ کے والد کے دوست ہیں آپ ان سے بھی بیعت لے لیں لیکن بس کوفہ اور عراق کے بارے میں مت سوچیں آپ کے والد علی ابن ابی طالبؑ اسی کوفہ ہی میں تو قتل کردیئے گئے تھے وہیں تو آپ کے بھائی حسنؑ کو دھوکہ دیا گیا اور ان سے بے وفائی کی گئی۔ آپ کے کام کا مرکز مکہ ہونا چاہئے آپ اپنی

تمام کارروائی اسی شہر سے شروع فرمائیں کیونکہ یہ خانۂ خدا
اور امن وامان کی جگہ ہے۔"

عبداللہ ابن مطیع یہ خیال کررہے تھے کہ حسین علیہ السلام کو ایک ایسے پروگرام اور لائحہ عمل کی ضرورت ہے جو انہیں مقامِ خلافت تک پہنچادے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حسین علیہ السلام یزید کو شکست دینے کے علاوہ مقامِ خلافت کے بھی طالب ہیں۔ عبداللہ ابن مطیع ہی کو نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کو جو حسین علیہ السلام کو مشورہ دے رہے تھے یہ اشتباہ تھا کہ حسین علیہ السلام مقام خلافت حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور اسی لئے وہ اس قسم کے پروگرام ترتیب دے رہے تھے لیکن حسین علیہ السلام اپنے راستے کو خوب پہنچانتے تھے وہ اسی راستہ کے بارے میں سوچ رہے تھے جسے اللہ نے پہلے ہی معین کرکے بتادیا تھا وہ اپنی ذات کی کامیابی نہیں چاہتے تھے وہ اس سے زیادہ وسیع افق اور اس سے زیادہ بلند مقام سے حالات کا مشاہدہ کررہے تھے۔

بصرہ میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے

وہ سب سے زیادہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں فکرمند تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ پودا جسے پیغمبرؐ اسی شہر میں آسمان سے لے کر آئے تھے اور جو اب حالات کی تیز ہواؤں کا شکار ہے۔ اسے مرجھانے سے محفوظ کرلیں وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ پودا مرجھانے لگا ہے اسے آبیاری اور نگہداشت کی ضرورت ہے یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اور اپنے جوانوں کے خون سے اس نئے پودے کو سیراب کریں اور اسے مرجھا کر ختم ہوجانے سے بچالیں۔

ایامِ حج کے آنے تک حسین علیہ السلام مکہ میں رہے اس عرصہ میں کوفہ

کے لوگوں نے انہیں آرام نہیں لینے دیا اور بہت سارے خطوط کے ذریعہ جن کی تعداد غالباً بارہ ہزار سے بھی زائد تھی' ان کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے رہے آخرکار حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنے چچا کے بیٹے مسلم ابن عقیل کو جو باصلاحیت و سمجھدار بھی تھے اور کام سے واقف بھی اپنے سفیر کی حیثیت سے کوفہ بھیجا تاکہ ان خطوط کا جواب بھی ہوجائے اور کوفہ کے اصل حالات کی بھی اطلاع مل جائے۔معاویہ کی موت کے بعد اپنے متلّون مزاج کے سبب کوفی ہیجان کا شکار ہوگئے تھے۔ انہوں نے سلیمان صرد خزاعی کے گھر کو جو شہر کے ایک بزرگ اور رسول خداؐ کے صحابی تھے' اپنی کارگزاری کا مرکز قرار دیا تھا وہیں یزید کے خلاف جلسے کرتے تھے اور وہیں سے خط لکھ کر حسین علیہ السلام کو ارسال کرتے تھے۔

حسین علیہ السلام نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ سارا شور و غوغا سطحی اور ظاہری ہے ضروری سمجھا کہ اس کو کنٹرول کریں اور اسے اپنے پروگرام کے تحت ڈھال لیں۔

حسین علیہ السلام ہوشیار تھے وہ کوفیوں کی متلّون مزاجی کے دھوکہ میں نہیں آسکتے تھے' وہ ان خطوط سے متاثر نہیں ہوئے۔ہم نے دیکھا کہ مدینہ میں محمد حنفیہ نے' مکہ میں عبداللہ ابن مطیع نے اور ان کے علاوہ حسین علیہ السلام سے محبت رکھنے والے بہت سے لوگوں نے ان کو کوفہ جانے سے روکا تھا اور بار بار کوفیوں کی بے وفائی کا تذکرہ کیا تھا ایسے میں ظاہر ہے کہ حسینؑ کوفیوں کو ایک دم کوئی فیصلہ نہیں سناسکتے تھے' وہ ان کو اپنے لئے مضبوط سہارا نہیں سمجھ سکتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حسین علیہ السلام خلافت کے طلبگار نہیں

تھے وہ میدانِ جنگ میں تلوار کے زور پر کامیابی نہیں چاہتے تھے ان کا ارادہ کچھ اور ہی تھا انکا ارادہ یہ تھا کہ سرد جنگ کے ذریعہ یزید کو نیست و نابود کردیں اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا کہ سرد جنگ کا سب سے اہم ہتھیار عوام کے خیالات میں ہیجان پیدا کردینا ہے۔اب جبکہ کوفہ نے اپنی آمادگی کا اعلان کردیا ہے اور ایک عظیم ہیجان کے نزدیک ہوگیا ہے تو ایسے میں حسین علیہ السلام اس موقعہ سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں اور بے اعتنائی اور خاموشی کے ذریعہ اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کو اگرچہ کہ ظاہری اور ناپائیدار ہی کیوں نہ ہو' بجھنے کیوں دیں؟

مسلم کو کوفہ بھیج دیا تاکہ وہ اپنی خاص تدبیر کے ذریعے جہاں تک ممکن ہو اس شعلہ کو اسی طرح مشتعل اور فروزاں باقی رکھیں اور خود مکہ میں رہے تاکہ مکہ والوں اور حج کے لئے آنے والوں کے افکار کو بیدار کرنے کی ذمہ داری خود انجام دیں۔

ایسے میں حسین ابن علی علیہ السلام بصرہ سے بھی غافل نہ رہے کیونکہ مدینہ' مکہ اور کوفہ کے بعد بصرہ کی کافی اہمیت تھی انہوں نے ضروری سمجھا کہ بصرہ کو بھی حالات سے آگاہ کردیں اور بنی امیہ کے اس عظیم مرکز کو متزلزل کردیں۔

اس کے لئے انہوں نے بزرگانِ بصرہ کو خطوط لکھے ان میں احنف ابن قیس' منذر ابن جارود' یزید ابن مسعود اور قیس ابن ہیثم جیسے لوگ شامل تھے یہ لوگ شہر کے ستون شمار ہوتے تھے۔حسین علیہ السلام نے خط میں ان کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا یہ لوگ زیادہ تر شریف اور محبانِ اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے ان کے دل دین کی طرف مائل تھے اگر وہ دین کو خطرہ

میں دیکھ لیں تو پھر سرد مہری کے ساتھ آرام سے بیٹھنے والے نہیں تھے۔

حسین علیہ السلام نے ان خطوط کے ذریعہ انہیں بتایا کہ بڑا حساس اور خطرناک وقت ہے شریعت اور سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹایا جارہا ہے

ان خطوط نے کافی حد تک اپنا اثر دکھایا وہ دل جو یادِ خدا اور فضیلت سے سرشار تھے ان میں ہیجان پیدا ہوگیا قبیلۂ بنی تمیم، قبیلۂ بنی حنظلہ اور قبیلۂ بنی سعد نے جب فرزندِ رسولِ خداؐ کے خط کے مندرجات پڑھے تو وہ سب کے سب حق و فضیلت کی مدد کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کرنے لگے رفتہ رفتہ پورے بصرہ میں ہیجان پھیل رہا تھا انقلابی فکر رفتہ رفتہ ترقی کررہی تھی۔ ایک عظیم انقلاب کے آثار پیدا ہورہے تھے۔

انسان فطری طور پر نیکی اور فضیلت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر غیر فطری باتیں درپیش نہ ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ لوگ حسین علیہ السلام کی طرف داری نہ کریں اور یزید جیسے شخص کو اپنا سردار مان بیٹھیں۔

دنیا کے ظالم لوگ ہمیشہ غیر فطری طریقوں سے اپنی طاقت میں اضافہ اور اپنے وجود و مقام کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ رعب، وحشت اور اضطراب کچھ اس طرح سے لوگوں میں پیدا کریں کہ کسی کو دم مارنے کی بھی سکت نہ ہو۔

اس وقت اتفاق سے ابن زیاد والیٔ بصرہ تھا۔ انقلاب کی آگ کو بجھانے کے لئے اس نے یہی حربہ استعمال کیا۔ اس نے شہر کی بڑی مسجد میں ایک اور

جوشیلی تقریر کی جس میں بصرہ کے لوگوں کو اتنا ڈرایا' اس قدر دھمکیاں دیں اور وحشت و اضطراب کا ایسا ماحول پیدا کردیا کہ کسی کو دم مارنے کی بھی ہمت نہ رہی۔

اس کی باتوں سے خون کی بو آرہی تھی۔ وہ گویا ایک قصاب تھا جو چند بھیڑبکریوں کے سامنے اپنے کارنامے بیان کررہا تھا۔ اپنے باپ کی خونریزیوں اور اپنی بے باکیوں کے قصے سنارہا تھا۔ آخرکار لوگوں کے سروں پر اپنی تیز تلوار اٹھائے ہوئے وہ منبر سے نیچے آیا۔

اس کی سخت و تند باتوں نے اپنا اثر دکھایا اور عوام کی فکر کے سیلاب پر وقتی طور پر ایک بند بندھ گیا۔ بصرہ تقریباً پرسکون ہوگیا۔ احساسات کے شعلے عوام کے پاک دلوں سے ابھرتے' ابنِ زیاد کی تقریر سے پیدا ہونے والی وحشت اور دہشت سے ٹکراتے اور واپس دلوں میں چلے آتے تھے۔

لیکن یہ شعلے بالکل بجھ جانے والے نہیں تھے۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ حق و فضیلت سے عشق کو انسانوں کے دلوں سے مٹادیا جائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ انسانیت ظلم و ستم سے صلح کرلے؟

حسین علیہ السلام کا سیاسی لائحہ عمل

ابنِ زیاد وقتی طور پر تو لوگوں کے بھڑکتے ہوئے احساسات کو دبانے میں کامیاب ہوگیا لیکن وہ کبھی بھی ان کو بالکل بجھا نہیں سکے گا۔ اور کبھی بھی اس کی جگہ محبتِ یزید کا شعلہ نہیں بھڑکا سکے گا۔

ظالموں کی طاقت لوگوں کے ظاہری جسم پر تو مسلط ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ ان کے دلوں پر حکومت نہیں کرسکتے۔

بہر حال ابنِ زیاد نے اس طرح سے بصرہ کے ہیجان کو ختم کیا اور اس کے بعد مرکزی حکومت کے فرمان کی تعمیل میں کوفہ کی طرف لپکا تاکہ حسینؑ کے نمائندہ مسلم کو سرکوب کرے اور کوفہ کے ہیجان کو بھی ختم کرے۔

بے چارہ ابنِ زیاد نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ تمام کارروائی آخرکار حسین علیہ السلام کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔اس کو حسین علیہ السلام کے گہرے اور موثر لائحہ عمل کی کوئی خبر نہیں تھی اور وہ اسے جان بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ کوشش کررہا تھا کہ حکومتِ یزید کو برقرار رکھنے کے لئے عوام کے احساسات کو کچل دے اور ان کے ہیجان کی آگ کو بجھادے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ احساس کا شعلہ اور ہیجان کی آگ بجھنے والی چیز نہیں ہے۔یہ تو ممکن ہے کہ اسے چند روز کے لئے دھمکیوں اور غیر فطری دباؤ کے سرپوش سے ڈھک دیا جائے اور بڑھنے سے روک دیا جائے۔ لیکن اس ختم نہ ہونے والی آگ کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا۔

حسین علیہ السلام نے ایسا لائحہ عمل مرتب کیا ہے کہ دشمن جتنا بھی اپنے اور اپنی کرسی کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے گا اتنا ہی وہ سقوط اور موت سے نزدیک ہوتا چلا جائے گا۔

حسین علیہ السلام اپنے لائحہ عمل کے مطابق اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ عوام میں جو عدالت خواہی اور خدا پرستی کا فطری احساس موجود ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت کے اسلامی معاشرہ کے ہیجان میں اضافہ کردیں۔دوسری طرف ابن زیاد یہ کوشش کررہا تھا کہ اس ہیجان کو ختم کردے تاکہ لوگوں کو حسین علیہ السلام اور عدل و انصاف کی طرفداری سے باز رکھا

جاسکے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ہیجان ایک ایسی طاقت ہے جسے جتنا دبایا جائے اس میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلاجاتا ہے جس قدر اس پر غیر فطری دباؤ ڈالا جائے اسی قدر اس کی تخریبی صلاحیت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ یہ دبائی جانے والی طاقت پھٹ پڑے گی اور اموی خاندان' یزید اور ابن زیاد کو نیست و نابود کرکے رکھ دے گی۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے مدینہ' کوفہ اور بصرہ کو بیدار کرلیا تھا اور ان تین شہروں کے عوام کے افکار میں ایک شعلہ انگیز ہیجان برپا کردیا تھا اب مکہ کی اور یہاں آنے والے حاجیوں کی باری ہے ان کے افکار کو بھی بیدار ہونا ہے ان کے دل بھی حسین علیہ السلام اور ان کی داستان کی طرف متوجہ ہونا ہیں۔

خوں رنگ دوربین

ہم نے کہا تھا کہ سرد جنگ کا پہلا مرحلہ ہیجان پیدا کرنا ہے اور اس کے بعد دوسرا اہم اقدام قوی اور موثر بنیاد فراہم کرنا ہے ایک ایسی بنیاد جسے سامنے رکھ کر تبلیغ اور تشہیر کرنے سے' پہلے سے موجود ہیجان طوفان میں تبدیل ہوجائے ایسا طوفان جو حریف کو پاش پاش کرکے نیست ونابود کردے۔

اور یہ حسین علیہ السلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک عظیم اور پرشکوہ ایثار کے ذریعے اس موثر بنیاد کو فراہم کریں اور اپنے بعد اسے باقی ماندہ اقرباء کے حوالے کریں۔

وہ بنیاد کیا تھی؟

وہ بنیاد قتل و شہادت تھی' مظلومیت اور محرومیت تھی' بھوک و پیاس تھی

اور غریب الوطنی کے عالم میں جان قربان کرنا تھی۔

یہی وہ بنیاد ہے جو اس وقت کے قریب المرگ معاشرہ میں جان پیدا کر سکتی تھی اور لوگوں کے افکار میں شعلہ انگیز انقلاب لا سکتی تھی' ایسا انقلاب جو بڑی بڑی طاقتوں کو بھی متزلزل کر دے اور ان کو بھی نیست و نابود کر کے رکھ دے۔

حسین علیہ السلام نے اس بنیاد کو فراہم کرنے کے لئے مکہ سے کربلا کا سفر اختیار کیا لیکن مکہ جانے سے پہلے ضروری سمجھا کہ لوگوں کو حالات سے واقف کردیں اور پس پردہ ہونے والے واقعات ان کے علم میں لے آئیں۔ وہ لوگوں کے مجمع کے سامنے کھڑے ہوگئے تاکہ انسانی تاریخ میں ایک سنہری لیکن خون سے لکھے ہوئے ورق کا اضافہ کردیں ـــــ وہ اٹھے تاکہ ایک عظیم مکتب کی متزلزل بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کریں وہ اٹھے تاکہ موت کی سختی اور سنگینی کو توڑدیں اور اسے بہادروں کی گردن میں ایک خوبصورت گلوبند کی شکل میں آویزاں کریں۔

انھوں نے لبِ سخن کھولا' لوگ علی علیہ السلام کی آواز سن رہے تھے جو ان کے بیٹے حسین علیہ السلام کے گلو سے جاری تھی۔

سانسیں سینوں میں رُک گئیں۔ لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ زمان و مکان کی حرکت رک گئی' مادی پردہ پھٹ گیا' معنویت اور روحانیت مادیت سے متصل ہوگئی یہ حق کی صدا تھی جو حسین علیہ السلام کے گلے سے نکل رہی تھی اور لوگوں کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

خدا کی حمد اور تعریف کی' اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجا اور پھر فرمایا!

"موت' موت ایک ایسی حتمی چیز ہے جو انسانی زندگی کے لئے لکھ دی گئی ہے اور انسان کو اس سے کوئی گریز نہیں ہے۔ موت ایک خوبصورت گلوبلند کی مانند ہے جو آزاد مردوں کے گلے کے لئے زینت ہے۔

جس طرح یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے دیدار کی آرزو رکھتے تھے میں بھی اسی شدت سے اپنے گزشتگان کے دیدار کا آرزو مند ہوں۔

میرے وعدہ پورا کرنے کی جگہ معین ہے' یہ تو راستہ ہے جسے عبور کرنا ہے' وہ مقام میری جانبازی اور شہادت کی جگہ ہے مجھے وہاں جانا ہوگا مجھے اس راستہ سے گزرنا ہوگا۔

اس جگہ اس دور دراز کی سرزمین پر جو نصاریٰ کے قبرستان اور کربلا نامی ایک بستی کے درمیان ہے میں پھاڑ کھانے والے بھیڑیوں کو دیکھ رہا ہوں جو میرے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے اور اپنے بھوکے پیٹوں اور خالی آنتوں کو میرے تن کے ٹکڑوں سے بھرلیں گے۔

اور یہ مشیتِ خدا ہے' تقدیر ہے' ایسی تقدیر جو قضائے الٰہی کے قلم سے میری زندگی کے صفحہ پر لکھ دی گئی ہے اور کسی کے لئے تقدیر سے گریز کا راستہ نہیں ہے ہم اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' خدا کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم ہیں اور اس کے امتحان پر صبر کرنے والے ہیں' خدا صابروں کی

جزاء ہمیں عطا کرے گا۔"

یہ آئندہ کے حالات کو دیکھنے کے لئے ایک دوربین تھی جسے حسین علیہ السلام نے دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے لگا دیا تھا۔ اس دوربین میں جاہ ومقام کے دھوکہ دینے والے نقش و نگار نہیں تھے۔ دولت اور ہوس کا نام ونشان تک نہ تھا' یہ ایک ایسی دوربین تھی جو خون اور مصیبت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی' موت اور شہادت کی بات تھی' جانبازی اور قربانی کی بات تھی۔ پھر آزاد مردوں کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں کہ۔

فمن کان باذلافینا مھجتہ و علی لقاء اللہ نفسہ فیترحل غدا فانا راحلون مصبحین انشاء اللہ۔

"جو بھی ہماری راہ میں اپنی جان دینے کو تیار ہے اور جو بھی اللہ سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے وہ کل ہمارے ساتھ کوچ کرے ہم انشاء اللہ علی الصبح نکلیں گے۔"

محمد حنفیہ' حسین علیہ السلام کی خدمت میں

حسین ابن علی علیہ السلام کا خطاب ختم ہوا تو لوگوں میں ایک عجیب شور اور ہنگام پیدا ہوگیا یہ خبر فوراً ہی ہر جگہ پھیل گئی سب کو معلوم ہوگیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حسین ابن علی علیہ السلام عزم سفر رکھتے ہیں اور وہ بھی خون اور موت کی طرف سفر۔

اس تقریر کے ذریعے حسین علیہ السلام نے اپنا راستہ اور اپنا ہدف بتا دیا۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ حسین علیہ السلام جان تک فدا کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ وہ قربانی پیش کرنے کے لئے جارہے ہیں اپنے خون کا سیلاب بہانے کے لئے

جارہے ہیں ایک ایسا سیلاب جس میں ظلم و ستم کی تمام بنیادیں بہہ جائیں گی۔ ایک ایسا سیلاب جو سرزمینِ کربلا سے نکلے گا اور آئندہ زمانہ اور آئندہ صدیوں میں بھی بہتا رہے گا انسانیت کی پوری تاریخ میں زمانے کے کارواں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہے گا اور ان جانبازوں کے لئے آنے والے وقتوں میں الہام اور طاقت کا سبب ہوگا جو ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حسین علیہ السلام اس تقریر میں اسلام کی حقیقی روح کی نشاندہی کردیتے ہیں اور اس کے زندہ اور تعمیری کردار کی وضاحت کردیتے ہیں۔ اسلام کی کتاب کا مطالعہ جب ہم اس خطاب کی عینک سے کرتے ہیں تو اس کی صریح اور نمایاں عبارتیں ہمیں موت سے بے پرواہی' ہدف کی راہ میں جانبازی اور آزادی خواہ مردوں کی قیام و حرکت پر آمادگی جیسی تعلیمات دیتی نظر آتی ہیں۔

تقریر ختم ہوئی تو دماغوں اور فکروں نے کام کرنا شروع کردیا سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ محبت کرنے والے بھی اور دشمن بھی سب نے اپنی اپنی سرگرمیاں شروع کردیں۔دوست چاہتے تھے کہ حسین علیہ السلام کو اس خطرناک سفر سے روک لیں اور عراق' دھوکہ باز اور مکر آلود عراق کی طرف جانے سے باز رکھیں جبکہ دشمن کسی اور فکر میں غرق تھے۔

دن رفتہ رفتہ اپنا دامن سمیٹ رہا تھا اور افق کی پناہ گاہ میں آرام کے لئے جارہا تھا اس طرف سے سیاہ رنگ کا قاصد اوپر آرہا تھا اور آسمان پر پھیل رہا تھا سورج کی آنکھ سے چھپ کر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ مکہ کے پورے آسمان پر چھاگیا ہر لحظہ مزید سیاہ ہوتے ہوئے امّ القریٰ (تمام شہروں کی ماں) کو اپنے نیچے چھپا رہا تھا رات کے اس سیاہ پردہ کے پیچھے سرگرمیاں اور

کوششیں پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر چکی تھیں۔ حسین ابن علی علیہ السلام کے عراق جانے کی خبر کوئی معمولی خبر نہیں تھی سب جانتے تھے اور خود حسین علیہ السلام نے بھی بتادیا تھا کہ یہ سفر موت اور خون کی جانب سفر ہے یہ خبر حسین علیہ السلام کے دوستوں کے لئے دردناک اور ناقابلِ تحمل تھی خاص طور سے خاندانِ بنی ہاشم اور حضرتؑ کے رشتہ دار کچھ زیادہ ہی پریشان تھے۔

اسی رات حضرت کے بھائی "محمد حنفیہ" ان کی خدمت میں پہنچے اور اپنی سیاسی بصیرت کے مطابق آئندہ کے حالات کی پیش بینی کرنے لگے بہت اصرار اور بڑی منت سماجت کی کہ وہ جانے کا خیال دل سے نکال دیں۔ اس رات محمد حنفیہ نے اپنے بھائی کے سامنے عراقیوں کی روح کی ساری کتاب کھول کر رکھ دی اور اس کے باعثِ ننگ سیاہ اور مکروفریب اور غدروخیانت سے بھرے ہوئے صفحات، حسین علیہ السلام کے سامنے کردیئے۔ ان سے درخواست کی کہ وہ ذرا پیچھے پلٹ کر اپنے بابا علی علیہ السلام اور بھائی حسن علیہ السلام کے زمانے کے حالات کو یاد کریں اور اس دریچہ سے کوفیوں کے مکار باطن اور ان کی خائن روح کو دیکھیں۔ انہوں نے کہا۔

> اے بھائی! کوفہ کے باشندے وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپؑ کے بابا علی علیہ السلام اور بھائی حسن علیہ السلام سے بغاوت اور خیانت کی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ آپؑ کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کریں اور کہیں اسی طریقہ پر عمل نہ کریں یہ مکہ ہے، خدا کا حرم ہے، امن کی جگہ ہے، آپؑ یہاں عزت اور وقار کے ساتھ رہ سکیں گے آپ نہ جائیں اور یہیں

سکونت اختیار کرلیں اطمینان رکھیں کہ یہاں آپ کو کوئی نہیں چھیڑے گا۔"

مختلف شخصیتیں حسین علیہ السلام سے ملاقات کرتی ہیں

محمد حنفیہ اپنے بے پناہ جذبہ اور انتہائی محبت کے تحت کوشش کررہے تھے کہ بھائی کو عراق کی طرف جانے سے روک لیں، انہیں ان خونخوار بھیڑیوں کی طرف جانے سے باز رکھیں جنکا ذکر خود حسین علیہ السلام نے اپنی تقریر میں کیا تھا لیکن وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے۔

کیوں؟

اس لئے کہ وہ صرف ظاہری حالات کو دیکھ رہے تھے وہ بس یہ چاہتے تھے کہ حسین علیہ السلام ایسے راستہ پر نہ جائیں جس کا انجام موت اور قتل کیا جانا ہو۔

مگر حسین علیہ السلام کے پاس کچھ اور ہی لائحہ عمل ہے ایک ایسا پروگرام ہے جس پر انہیں ضرور عمل کرنا ہے اور اس طرح سے اسلامی معاشرہ کو ذلت آمیز سقوط اور حتمی موت سے نجات دلانا ہے۔

محمد حنفیہ اسی طرح اصرار کرتے رہے، حسین علیہ السلام نے مجبور ہوکر کہا:

"اچھا مجھے اس سلسلہ میں غور و فکر کا موقع دیجئے۔"

یہ ایک امید دلانے والی بات تھی یہ امید لے کر محمد حنفیہ، حسین علیہ السلام کے گھر سے نکلے اور حضرت کو تنہا چھوڑ دیا۔

لیکن یہ تنہائی زیادہ دیر تک نہ رہی یکے بعد دیگرے اسلام کے چیدہ چیدہ

بزرگ آپؑ کی خدمت میں پہنچتے رہے اور آپؑ کو جانے سے روکنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرتے رہے۔

عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر یہ تین وہ بڑی شخصیتیں تھیں جنہوں نے حسین علیہ السلام سے اس سلسلہ میں ملاقاتیں کیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے طریقہ سے اس سفر کے خطرناک نتائج بتائے۔

ان تینوں میں سے ہمیں عبداللہ ابن زبیر کی نیت کا زیادہ اعتبار نہیں ہے وہ ایک ایسا شخص تھا جو خود خلافت اور حکومت کا دعویدار تھا اور ظاہر ہے کہ اگر حسین علیہ السلام مکہ میں رہ جاتے ہیں تو اس کی وقعت اور اہمیت ختم ہوجائے گی کوئی بھی حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے اس کو خلیفہ مان کر بیعت نہیں کرے گا۔

وہ اگرچہ کہ حسین علیہ السلام کو مکہ میں رہ جانے کی تلقین کررہا تھا لیکن وہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ حسین علیہ السلام کا آخری فیصلہ کیا ہے، وہ اس طریقہ سے چاہتا تھا کہ اسے معلوم ہوجائے کہ آیا واقعی حسین علیہ السلام سفر کا پکا ارادہ رکھتے ہیں یا انکا کوئی اور مقصد ہے، اس کی حسین علیہ السلام کے ساتھ گفتگو بڑی دلچسپ ہے اس گفتگو سے ہم یہ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ وہ کس حد تک حکومت اور خلافت کا دلدادہ تھا اور یہ اس گفتگو کے چند جملے ہیں۔

عبداللہ: اگر آپ چاہیں تو مکہ میں رہ سکتے ہیں اور خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں ہم آپ کی اس سلسلہ میں مدد کریں گے۔ آپ کی بیعت کرلیں گے اور آپ کے وفادار دوست ثابت ہوں گے"

حسین علیہ السلام: "نہیں میں ایسا نہیں کرسکتا مجھے جانا چاہئے۔"

عبداللہ: اچھا تو پھر اس بات کو قبول کرلیں کہ آپ مکہ میں رہ جائیں اور خلافت کی ذمہ داری مجھے سونپ دیں میں خلافت سنبھالنے کے باوجود آپ کا فرمانبردار رہوں گا آپ کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور آپ کی کوئی بات نہیں ٹالوں گا۔

حسین علیہ السلام "نہیں، مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے۔"

آپ نے دیکھا کہ عبداللہ ابن زبیر اپنی تمام چالاکی اور استادی کے باوجود حسین علیہ السلام کے سامنے اپنی دلی خواہش کو نہ چھپا سکا۔

وہ نصیحت اور خیراندیشی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے مطلب کی بات کررہا تھا اپنی وہ آرزو بتارہا تھا جو اس کی روح میں سمائی ہوئی تھی اور جس نے اس کی ہر چیز کو اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا۔

دیگر لوگ بھی خلافت کے سلسلہ میں اس کی دلچسپی سے واقف تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام مکہ سے نکل جاتے ہیں تو ابنِ عباس اس سے ملاقات کرکے کہتے ہیں کہ

"حسین علیہ السلام چلے گئے اور آپ کے لئے میدان خالی چھوڑ گئے اب آپ بغیر کسی مدِمقابل کے اپنی کارروائی کو آگے بڑھاکر خلافت کے لئے کوششیں کرسکتے ہیں"

بہرحال ابن زبیر کو یہ اطمینان ہوگیا کہ حسین علیہ السلام ضرور چلے جائیں گے اور اس طرح مکہ میں اس کے کام میں حائل رکاوٹ دور ہوجائے گی ہم نے ذکر کیا تھا کہ مکہ سے نہ جانے کے سلسلہ میں حسین علیہ السلام سے بات چیت کرنے والوں میں سے ایک عبداللہ ابن عباس بھی تھے۔

ابن عباس، سمجھدار اور اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سچے دل سے چاہنے والے تھے وہ جب حسین ابن علی علیہ السلام کے فیصلہ سے مطلع ہوئے تو خاموش نہ رہ سکے کیونکہ اس کے خطرناک نتائج سے وہ بخوبی آگاہ تھے حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور صدقِ دل اور حسنِ نیت کے ساتھ بحث و گفتگو کرنے لگے وہ آئندہ کے افق کی حسینؑ کے سامنے تصویر کھینچ رہے تھے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کے زمانہ میں سالہا سال کوفہ میں رہ چکے تھے وہ کوفہ کے رہنے والوں کی نفسیاتی اور اخلاقی خصوصیات سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا انہوں نے بھی محمد حنفیہ کی طرح سب سے پہلے کوفیوں کے مکروفریب اور ان کے ڈگمگاتے ہوئے ایمان کا ذکر کیا اور کہا کہ۔

"اے حسین علیہ السلام! یہ راستہ کہ جس کا انتخاب آپ نے کیا ہے یہ موت کا راستہ ہے شہادت اور دربدری کا راستہ ہے ایسا راستہ ہے جو آخر کار آپ کو خاک وخون میں غلطاں کردے گا۔ اگر واقعاً" عراق کے لوگ سچ کہتے ہیں اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں تو ٹھیک ہے پہلے وہ دلیل کے طور پر دشمن کو اپنے دیار سے نکال باہر کریں اور اس کے بعد آپ کو دعوت دیں۔ وہ غدار اور خیانت کار لوگ ہیں مکروفریب ان کی روح میں رچ بس گیا ہے اس راستے پر جانے کا خیال دل سے نکال دیں اور یہیں رہ جائیں اگر کہیں جانا ضروری ہی ہے تو پھر یمن چلے جائیں کیونکہ وہاں کے لوگ آپ کے والد علی علیہ السلام سے عقیدت رکھتے ہیں اس کے علاوہ یمن فوجی اعتبار

سے بھی بہت محفوظ جگہ ہے آپ وہاں پناہ لے کر دشمن کے
تیر کی پہنچ سے دور رہ سکیں گے۔"

حسین علیہ السلام نے ان تمام باتوں کی تصدیق کی لیکن پھر بھی وہ اپنے فیصلہ پر ڈٹے رہے۔

یہاں پر ہم حسین علیہ السلام کی روح کی ایک اور عظیم خصوصیت سے واقف ہوتے ہیں۔

انسان کتنا ہی دھن کا پکا کیوں نہ ہو' وہ تلقین اور نصیحت کا سامنا کرنے کے بعد تزلزل اور تردد کا شکار ہوجاتا ہے۔اصولی طور پر نصیحت کو قبول کرنا انسانی فطرت کی ایک خاصیت ہے۔ دنیا کے وہ بڑے بڑے لوگ بھی تلقین اور نصیحت کا سامنا کرنے پر تزلزل اور شش و پنج میں مبتلا ہوجاتے ہیں جن کی ذہنی صلاحیت اور روحانی عظمت انسان کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے ایسے لوگ بھی کبھی اپنا راستہ بدل دیتے ہیں اور اپنے فیصلہ سے پھر جاتے ہیں۔

یہاں پر حسین ابن علی علیہ السلام کے ارادہ کی پختگی' انسان کو حیرت میں ڈال دیتی ہے ہم انتہائی تعجب کے عالم میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اتنی زیادہ تلقین اور نصیحت نے بھی حسین علیہ السلام پر اپنا فطری اثر نہیں ڈالا' ذرا سا بھی تزلزل اور تذبذب ان کے عزم راسخ میں پیدا نہیں ہوا۔

سب نے خطرے سے ان کو آگاہ کیا سب چاہتے تھے کہ وہ اپنا فیصلہ بدل لیں دلیلیں پیش کررہے تھے' خواہش کررہے تھے' اصرار کررہے تھے لیکن حسین علیہ السلام اپنی بات پر چٹان کی طرح ثابت قدم رہے اور یہ انہیں کی خاصیت تھی وہ بس یہی کہتے رہے کہ "نہیں ایسا نہیں ہوسکتا مجھے ضرور جانا چاہئے"

ایک دفعہ بھی تو ہم نے انہیں تذبذب اور شش و پنج میں مبتلا نہیں دیکھا۔

کیوں؟

آخر کیوں حسین علیہ السلام اپنی بہتری پر مبنی ان مشوروں کو رد کررہے تھے؟ آخر کیوں حسین علیہ السلام جانتے بوجھتے ایک ایسے راستے پر قدم رکھنا چاہتے تھے جس کا انجام موت اور ان کا قتل ہو؟ کیا بہتر نہیں تھا کہ وہ مکہ میں رہ جاتے یا کم از کم ابن عباس کے کہنے کے مطابق یمن کی طرف ہی چلے جاتے؟

مورخین یہاں پہنچ کر کہتے ہیں۔

"ہمیں نہیں معلوم"

"ہمیں نہیں معلوم کہ آخر کیوں حسین علیہ السلام نے ان مشوروں کو ٹھکرا دیا اور کیوں قدم ایک ایسے راستے پر رکھا جس کا نتیجہ خون' آگ اور جنگ ہو یقیناً کوئی راز ہے کہ جسے ہماری فکر درک نہیں کرسکتی۔"

جی ہاں! مورخ اپنے خاص طرزِ فکر کے سبب اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکا لیکن ہم ایک الگ طرزِ فکر رکھتے ہیں اور اس مطلب کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

اور یہ ہے وہ راز

مسئلہ یہ ہے کہ حسین علیہ السلام خلافت و حکومت کے خواہاں نہیں ہیں۔ وہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینا اور چند روز لوگوں کے جسموں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے۔ وہ ایک نئی فکر دینا چاہتے ہیں' ایسی فکر جو ابد کی شام تک انسانوں کی روح پر حکومت کرے اور انہیں فداکاری اور جانبازی کا طریقہ سکھائے وہ دنیا کو تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ ہدف کے راستے میں موت کی سرحد

تک آگے بڑھ جانا چاہئے۔ اس راستے میں موت زندگی ہے' حیاتِ جاوید ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون"

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پا رہے ہیں۔"

(سورہ آل عمران ۳' آیت ۱۶۹)

وہ یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ اس راستے میں شکست بھی فتح ہے قطعی اور ناقابلِ انکار فتح۔

اصل راز یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اسی شکست کے ذریعہ اسی قتل و شہادت کے سبب سے ایسی بنیاد فراہم کریں کہ جس کو سامنے رکھ کر اس کی نشرواشاعت اور تبلیغ کرنے سے اموی حکومت ہمیشہ کے لئے رسوا ہوجائے اور ان کے ظلم و ستم کی مذمت کی جائے اور یہی وہ راز ہے جسے مورخین سمجھنے سے عاجز رہ گئے۔

موت اور شہادت' حسینؑ کے لائحہ عمل کا بنیادی رکن ہے ان کا سارا مشن اسی ایک چیز کے گرد گھومتا ہے اگر کربلا کا لرزا دینے والا واقعہ پیش نہ آئے تو زینب علیہا السلام اور زین العابدین علیہ السلام کس چیز کو بنیاد بناکر تشہیر اور تبلیغ کی راہ میں قدم رکھیں گے اور کس حربہ سے اموی ظلم کے پیکر کو ٹکڑے ٹکڑے کریں گے۔

حسین علیہ السلام جارہے ہیں تاکہ اپنی پرشکوہ جانبازی کے ذریعے یہ سرمایہ

فراہم کریں، وہ جارہے ہیں تاکہ ایک بنیاد قائم کرکے زینب علیہا اسلام اور اپنے خاندان کے دیگر باقی ماندہ افراد کے ہاتھوں میں ضروری اور اہم حربہ دے جائیں۔

اسی لئے وہ اس راستے میں تنہا قدم نہیں رکھ رہے ہیں بلکہ عورتوں، بچوں اور اپنے دیگر اعزہ واقرباء کو بھی ساتھ لے جارہے ہیں۔

ان سے کہا گیا کہ

"اے حسین علیہ السلام! اب جبکہ آپ اس ہولناک اور خطرناک سفر کا عزم کرہی چکے ہیں تو پھر عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ کیوں لے جارہے ہیں؟"

ابن عباس نے کہا۔

"میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، میں ڈرتا ہوں کہ جس طرح عثمان کو بیوی بچوں کے سامنے قتل کیا گیا کہیں آپ بھی اپنے بچوں کے سامنے خاک و خون میں غلطاں نہ کردیئے جائیں۔"

محمد حنفیہ اشکبار آنکھوں کے ساتھ اصرار کئے جارہے تھے کہ حسینؑ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جانے سے باز آجائیں لیکن حسین علیہ السلام سب کو ایک ہی جواب دیتے ہیں۔

"نہیں اس سفر میں یہ لوگ بھی میرے ساتھ رہیں گے خدا کرے کہ وہ قیدیوں کا لباس نہ پہنیں"

جی ہاں! قیدیوں کے ایک قافلہ کو آگے بڑھنا چاہئے اسے قید کا لباس پہنے ہوئے حسین علیہ السلام کے قتل کو بنیاد بناکر تبلیغ اور نشر و اشاعت کرنا چاہئے

اور اس طرح کوفہ و شام کو منقلب کردینا چاہئے۔ حسین علیہ السلام کے خاندان کے یہ بچے کچھے افراد' یہ عورتیں اور یہ بچے عاشور کے واقعہ کے بعد حسین علیہ السلام کے تاریخی اور انقلابی کام کو مکمل کریں گے اس سلسلہ میں ہر ایک کی کوئی نہ کوئی ذمہ داری ہے اور اسے وہ ذمہ داری پوری کرنا ہے' یہ ذمہ داری خدا نے ان پر لگائی ہے' اس سے منہ نہیں موڑا جاسکتا۔

اس رات تمام بڑی بڑی شخصیتوں نے جن کو خاندانِ پیغمبرؐ سے انس تھا حسینؑ سے ملاقات کی اور انہیں جانے سے روکتے رہے لیکن آخرکار سب مایوس ہوکر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے کیونکہ حسین علیہ اسلام نے ایک قطعی فیصلہ کرلیا تھا۔

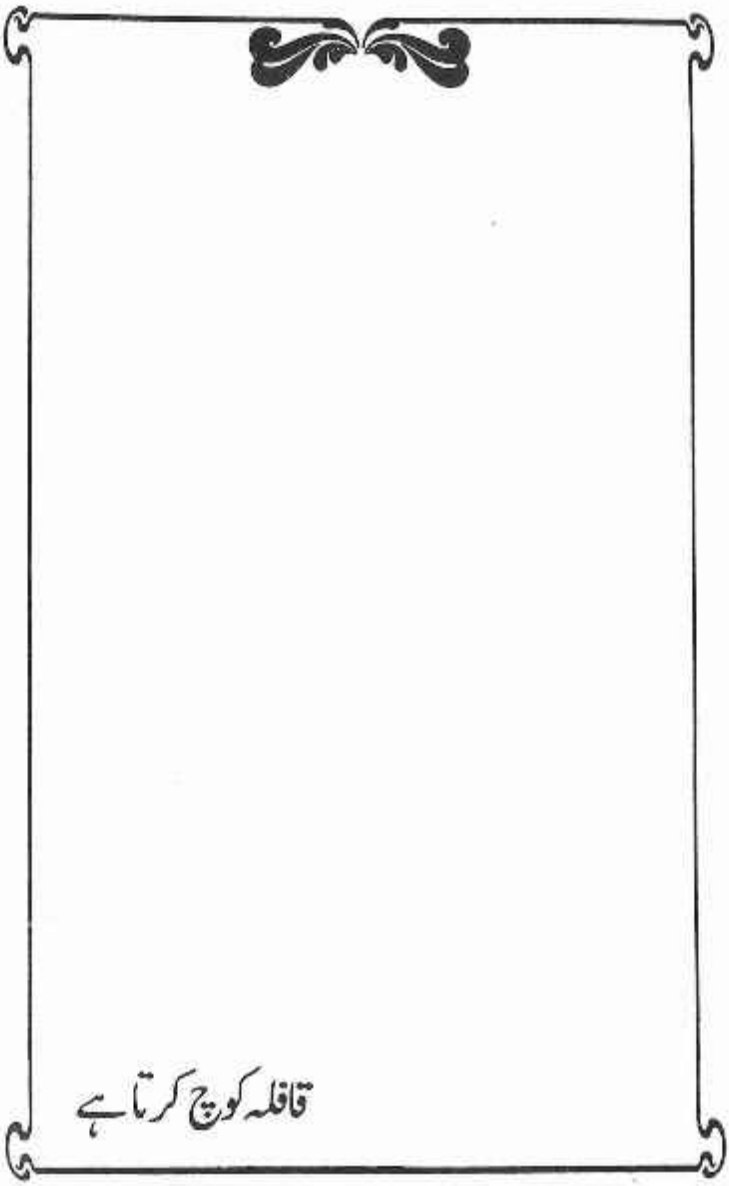
قافلہ کوچ کرتا ہے

مکہ ابھی تک محوِ خواب تھا۔ رات اپنے آخری لمحوں کو گزار رہی تھی تاریکی کا سیاہ پردہ رفتہ رفتہ بے رنگ ہوتا جارہا تھا قریب تھا کہ لطیف نور اور ملائم سفیدی کے سامنے یہ تاریکی بالکل ختم ہوجائے۔ افق کے کنارے پر چاندی جیسا رنگ چھلک رہا تھا یا کوئی سفید ریشمی کپڑا تھا جو دن کے بادشاہ کے استقبال کے لئے بچھادیا گیا تھا ستارے ایک ایک کرکے بھاگ رہے تھے اور صبح کے نور کے دریا میں غرق ہورہے تھے آسمان روشن ہوگیا تھا حسین علیہ السلام منتظر تھے کہ یہ روشنی آسمان سے زمین پر آئے اور ان کے پرافتخار راستے کو چوم لے ان کے پرشکوہ قافلہ کے لئے راستہ کو واضح کردے۔

حسین علیہ السلام کے گھر میں غیر معمولی سرگرمی اور جوش و خروش نظر آرہا تھا حسین علیہ السلام ہدایت دے رہے تھے کہ جلد از جلد اونٹوں کو تیار کرلیا جائے اور ان پر کجاؤں کو کس لیا جائے زینبؑ بچوں کو نیند سے بیدار کررہی تھیں، انکو لباس پہنا رہی تھیں اور ان کے سفر کا انتظام کررہی تھیں ننھے بچے، سفر کے شوق میں اچھلتے کودتے ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے وہ مسکرارہے تھے اور اونٹ کے انتخاب میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے

میں مگن تھے' وہ بھلا کیا جانتے تھے کہ ان کے راستے میں خون اور موت کی فراوانی ہے' انہیں کیا معلوم تھا کہ انکا یہ ہنسنا مسکرانا اسی سفر میں بہت جلد غم اور گریہ میں تبدیل ہوجائے گا۔حسین علیہ السلام آنکھیں بند کئے ہوئے تھے تاکہ اس منظر کو نہ دیکھ سکیں۔ وہ اپنی تیز نگاہوں سے وقت کے پردے کو چیرتے ہوئے چند روز آگے بڑھ گئے تھے وہ عصر عاشور میں پہنچ چکے تھے وہ چشم تصور سے دیکھ رہے تھے کہ یہی معصوم بچے وحشت زدگی اور بدحواسی کے عالم میں جلتے ہوئے خیموں سے فرار ہورہے ہیں اور آگ کی لپیٹ سے نکل کر دشمن کی آغوش میں پناہ تلاش کررہے ہیں وہ دیکھ رہے تھے کہ یہی بچے برہنہ اونٹوں پر سوار ہیں اور قیدیوں کی حیثیت سے بیابانوں اور بازاروں میں پھرائے جارہے ہیں۔ ابھی تو یہ بچے ایک مہربان باپ کا سایہ اپنے سروں پر دیکھ رہے تھے اور وہ بھی حسین علیہ السلام جیسا باپ' ایسا باپ جو ان کے ساتھ ہنستا مسکراتا ہے اور اپنی گرم آغوش ان کے لئے پھیلائے رکھتا ہے لیکن اس دن! اس دن یہی بچے دشمن کو دیکھیں گے جو ستم کے تازیانہ کے ساتھ ان کی پذیرائی کرے گا۔حسین علیہ السلام کا دل تڑپ رہا تھا انہوں نے آنکھیں بند کرلیں تاکہ مزید اس منظر کو نہ دیکھ سکیں۔

اب کرنا کیا چاہئے؟

یہ ایک ایسا راستہ ہے جسے خدا نے ان کے لئے معین کیا ہے' یہ تقدیر کا ایسا فیصلہ ہے جسے حسین علیہ السلام کو قبول کرنا ہی ہوگا' انہیں قتل ہونا ہی ہوگا تاکہ عدل و انصاف زندہ رہے' ان کے بچوں کو تازیانے کھانے ہی پڑیں گے تاکہ آئندہ بچوں کی آزادی کے لئے ضمانت ہوسکے۔ ان کی زینبؑ کو اسیر ہونا ہی

پڑے گا تاکہ مسلمان عورتیں "اریب" کی طرح سے ذلیل ہونے سے بچیں۔ وہی اریب جس کی داستان رقت طاری کردیتی ہے

یہ مسائل ہمارے لئے قابل ہضم نہیں ہیں لیکن بات یہ ہے کہ حسین علیہ السلام ہم جیسے نہیں ہیں۔ حسینؑ انسانوں سے بلند مرتبہ ہیں وہ مافوق بشر ہیں۔ ان کی طینت نور نبوت سے بنی ہے۔ وہ نبوت سے ہیں اور نبوت ان سے ہے۔ یہ پیغمبرؐ نے ہی تو ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ

حسین منی و انا من الحسین

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین علیہ السلام سے ہوں۔"

حسین علیہ السلام پیغمبروں کی سی شان کے ساتھ اپنی جان کی قربانی دینے جارہے ہیں وہ اپنا آسمانی فریضہ انجام دینے جارہے ہیں۔

سورج نے افق سے سر نکالا لیکن اس کا چہرہ غبار آلود تھا اس کا نور کم نظر آرہا تھا اس نے زمین پر اپنی شعاعیں تو بکھیریں مگر وہ غم واندوہ کے رنگ کی تھیں۔

پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں نے اس اڑتے ہوئے رنگ کے نور کو قبول کیا اس سے زرد رنگ کے پھولوں کا ایک گلدستہ بنایا جو غم واندوہ کی نشانی ہے اور پھر اس کو حسین علیہ السلام کی نظروں کے سامنے پیش کردیا۔

گویا فطرت بھی چاہتی تھی کہ اپنی زبان سے اس سفر کا غم انگیز انجام قافلہ کو سنائے اور حسین علیہ السلام کو جانے سے منع کرے، ان کو عراق جانے سے روک لے۔

لیکن حسین علیہ السلام اس گفتگو سے بے اعتنا رہے فطرت پر جو گزر رہی تھی اس کی پرواہ کئے بغیر وہ صبح صبح مکہ کے دروازہ سے نکل گئے اور عراق کی طرف چل پڑے۔ چل پڑے تاکہ عاشورہ کا واقعہ ایجاد کر سکیں۔

ایک ایسا واقعہ کہ جس کو لکھنا قلم کے بس کی بات نہیں' ایک ایسا واقعہ کہ جس کی کوئی مصوّر تصویر کشی نہیں کر سکتا۔

قلم' حادثات کو بیان کر سکتا ہے۔ عام اور معمولی احساسات کو سمجھ کر لکھ سکتا ہے اور ان کی توضیح کر سکتا ہے مصور بھی ظاہری صورت اور آنکھوں سے نظر آنے والے روشن سایوں کو دیکھتا ہے لیکن دلی احساسات اور روح کے جذبات کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔

ہم کچھ بھی لکھیں' کچھ بھی بنائیں' اصل واقعہ کو بیان نہیں کر سکتے اس کا اظہار ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ میدانِ عشق تھا ایثار و فداکاری کا میدان تھا ایسا میدان جہاں بہتر بہترین انسان بے انتہا خلوص اور جذبہ کے ساتھ جان کا نذرانہ پیش کرنے میں مشغول تھے۔

وہ جان دے رہے تھے اور مسکرا رہے تھے موت کی آغوش میں جا رہے تھے اور لذت و فخر کا احساس کر رہے تھے۔

بریر اور عبدالرحمٰن عاشورہ کی قربانیوں میں سے دو ہیں۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ یہ دونوں بہادر سپاہی خیمہ کے در پر کھڑے اپنے مقابل تیس ہزار جنگجو آدمیوں کا لشکر دیکھ رہے تھے جو اپنی تلواریں انہیں قتل کرنے کے لئے نیام سے نکالے ہوئے تھے۔ ہر لمحہ انتظار میں کٹ رہا تھا کہ کب جنگ شروع ہوگی اور کب وہ انہیں ایک لذیذ لقمے کی طرح نگل لیں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات موت کو نزدیک سے دیکھ رہے تھے بہت ہی نزدیک سے اتنا نزدیک کہ وہ موت کے سرد اور لرزہ طاری کردینے والے پنجوں کو اپنے بدن پر محسوس کررہے تھے۔

ایسے حساس موقع پر بریر، جن کے دلیرانہ چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی شوخی اور مزاح کرنا شروع کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن انتہائی تعجب سے سرا ٹھاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ بریر! یہ ہنسی مذاق کا کونسا موقعہ ہے؟ کیا تم دشمن کو نہیں دیکھ رہے ہو جو ہم سے چند قدم کے فاصلہ پر موجود ہے؟ کیا تم خون کی بو نہیں سونگھ رہے ہو! یہ میدانِ جنگ ہے آگ و خون کا میدان ہے کوئی ہنسی مذاق کی محفل نہیں ہے۔

بریر کی نظریں عبدالرحمٰن کے چہرے پر آکر تھم جاتی ہیں اور اطمینان سے کہتے ہیں کہ:

"عبدالرحمٰن سب جانتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی مذاق اور مزاح نہیں کی، نہ جوانی میں نہ بڑھاپے میں، مجھے کبھی بھی ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں رہی لیکن، لیکن یہ تو ایک ایسا موقع ہے کہ میں خودبخود خوشی اور سرور محسوس کررہا ہوں میں اپنی روح کو شوق اور لذت سے لبریز دیکھ رہا ہوں آنے والے لمحے کو دیکھ رہا ہوں کہ سب سے بڑی سعادت مجھے ملنے والی ہے ہدف اور عقیدہ کی راہ میں موت! آیا کیا اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر بھی کوئی سعادت ہوسکتی ہے۔

"خدا کی قسم، اگلے ہی لمحے میں میری روح جنت کے باغ میں پر پھیلائے اڑ رہی ہوگی اور مجھے سعادت کی آغوش میں جگہ ملے گی۔"

"کیا ایسے موقعہ پر بھی کہتے ہو کہ میں کیوں مذاق کر رہا ہوں"

ہم عاشورا کے واقعہ میں اعلیٰ جذبات سے مالامال ایسے مجاہدوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کے دل اطمینان سے سرشار اور جن کی ہمت طاقتور و قوی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ یارانِ حسین علیہ السلام اپنے ہدف اور عقیدہ پر کامل ایمان رکھتے تھے وہ سب حق کے شیدا اور شیفتہ تھے انہیں اطمینان تھا کہ واقعاً" وہ راہِ حق میں جان نثار کر رہے ہیں اور عدل و انصاف کی راہ میں سرکٹوا رہے ہیں۔

اور یہی ان کی طاقت اور شجاعت کا راز ہے۔

وہ اتنے طاقتور اور بہادر تھے کہ موت بھی ان کے نزدیک جانے کی جرات نہ کرتی تھی موت اپنی سختی کے باوجود ان کی نظروں میں حقیر اور معمولی تھی۔

وہ دشمن کے سمندر میں غوطہ لگاتے اور شمشیر و نیزہ کے اوقیانوس میں اتر جاتے تھے خون انکے بدن سے فوارے کی طرح ابلتا لیکن پھر بھی وہ اسی طرح اپنے طاقتور بازوؤں سے کام لیتے اور اپنے قدموں کے ذریعے دشمن کی صفوں میں رخنہ ڈال دیتے تھے۔

گویا کہ موت بھی ان کی طاقت دیکھ کر ہیبت کھا گئی تھی اور دشمن جب فرار اختیار کرتا تو وہ بھی دشمن کے ساتھ راہ فرار اختیار کر لیتی تھی۔ وہ بہتّر سے زیادہ نہ تھے لیکن انہوں نے اپنے مدِ مقابل تیس ہزار جنگجو آدمیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

دشمن بھی یارانِ حسین علیہ السلام کی اس حیرت انگیز طاقت سے بخوبی واقف تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کی طاقت ایمان کے عظیم سرچشمہ سے

پھوٹ رہی ہے اور چونکہ اپنے مقصد پر انہیں کامل ایمان ہے اس لئے انتہائی بہادری سے لڑ رہے ہیں اور وہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں انہیں شکست سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔

یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے ابن زیاد نے بھی جان لیا تھا ابن زیاد، کوفہ کا والی جو حسین علیہ السلام اور اصحابِ حسین علیہ السلام کو شکست دینے پر مامور تھا اس کا حسین علیہ السلام سے جنگ لڑنے میں سب سے بڑا ہاتھ تھا یزید اس سے چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد اس عظیم مشکل کو حل کرے۔

اموی حکومت تک حسین علیہ السلام کے کوفہ وعراق کی طرف کوچ کرنے کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے یزید نے ابنِ زیاد کو حکم دیا کہ وہ کوفہ جائے اور اس پر آشوب شہر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس کو مکمل اختیارات حاصل تھے کہ یا تو حسین علیہ السلام سے بیعت لے لے یا ان سے جنگ کرے اور انہیں قتل کردے انصاف سے دیکھا جائے تو اموی حکومت نے اس اہم ذمہ داری کو اس کے اہل کے حوالے کیا تھا ابنِ زیاد ایسا چالاک شخص تھا کہ اس نے کہیں بھی غفلت نہیں کی تھی سید الشہداء علیہ السلام سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں تمام باتوں پر اسی نے باریک بینی سے غور کیا تھا وہ اصحابِ حسین علیہ السلام کی تعداد سے واقف تھا وہ جانتا تھا کہ وہ بہتّر سے زیادہ نہیں ہیں پھر بھی اس نے اس نفسیاتی پہلو سے غفلت نہیں برتی کہ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے لیکن ان میں ایک عظیم حیرت انگیز طاقت ہے اور وہ ہے عقیدہ اور ایمان کی طاقت۔

وہ جانتا تھا کہ اصحابِ حسین علیہ السلام فداکاری اور ایثار کرنے والے مرد ہیں حق کا دفاع کررہے ہیں اور عدل وانصاف کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ حق وعدالت کا

دفاع انکو طاقت فراہم کررہا ہے اور ایمان وعقیدہ اس میں اضافہ کررہا ہے اور اتنا اضافہ کررہا ہے کہ ممکن ہے کہ اپنی کم تعداد کے باوجود یزیدی فوج کی بھاری اکثریت پر غالب آجائیں یہ ایک ایسا احتمال تھا جس پر ابنِ زیاد نے پوری توجہ دی تھی اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے وہ تیس ہزار کے لگ بھگ آدمی بھیجتا ہے پھر بھی اس کے دل کو چین نہیں ملتا اسے یقین ہے کہ اگر اسی طرح عام حالات میں اصحابِ حسین علیہ السلام جان کی بازی لگاتے رہے تو فوج کی یہ بھاری تعداد بھی شکست کھاجائے گی اور وہ فتحیاب ہوجائیں گے کیا کرنا چاہئے؟ کس طریقے سے ان پر دباؤ ڈالنا چاہئے؟

کسی بھی طرح ان کی طاقت چھین لینی چاہئے ان کو غیر معمولی حالات کا شکار بنادینا چاہئے ایسے حالات کا جو ان سے جنگ کی طاقت سلب کرلیں اور ان کی جسمانی طاقت کو کم کردیں۔ یہاں پر ہم ابنِ زیاد کی ایک بدترین شیطانی چال کو ملاحظہ کرتے ہیں اور یہیں ہمیں حسین ابنِ علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی پیاس کا راز معلوم ہوتا ہے۔

اصحابِ حسین علیہ السلام کو حالات کی سختی کا شکار کرنے اور ان کی طاقت سلب کرنے کے لئے ابنِ زیاد سات محرم کو عمر سعد کے نام ایک خط لکھتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے کہ حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء پر پانی بند کردیا جائے اور پانی کا ایک قطرہ بھی حسین علیہ السلام کے خیموں تک نہ پہنچنے پائے اسی لئے محرم کی سات تاریخ سے یعنی واقعۂ کربلا کے تین دن پہلے سے حسین ابن علی علیہ السلام کے خاندان اور ان کے اصحاب کو تشنگی اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں ہمیں اقرار ہے کہ ابن زیاد کے اس حکم نے جنگ میں اس کے سپاہیوں کی کامیابی میں بڑا اہم کردار

ادا کیا یہی تشنگی اور پیاس تھی جس کی وجہ سے آخرکار عاشورا کے یہ فدا کار ایک ایک کر کے کم ہوتے گئے اور اپنے ہی خون میں غلطاں ہو کر خاک پر تڑپتے رہے۔

ابنِ زیاد اپنی اس چال میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب جو حکومت کے مظالم اور اس کی من مانی کے خلاف ایک فولادی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں کسی طرح اسے توڑ دے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ ابنِ زیاد اس رکاوٹ کو توڑنے کے لئے بدترین فوجی اقدام سے بھی باز نہیں رہتا حسین علیہ السلام پر پانی بند کر دیتا ہے اور انہیں اور انکے اصحاب کو تشنہ لب و پیاسا ہی موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے لیکن وہ اپنی تمام شیطنت اور چالاکی کے باوجود حسین علیہ السلام کے لائحہ عمل اور پروگرام سے بے خبر تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ حسین علیہ السلام نے مقصد و ہدف تک پہنچنے کے لئے کس ماہرانہ انداز سے دقیق پروگرام مرتب کر رکھا ہے۔

حسین علیہ السلام نے ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کیا تھا کہ دشمن اپنی حفاظت کے لئے جس قدر کوشش کرے گا وہ اسی قدر موت سے نزدیک ہوتا چلا جائے گا ابن زیاد حکم دیتا ہے کہ حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا جائے۔ اپنے خیالِ خام میں وہ اس طرح حسین علیہ السلام کی طاقت کو ختم کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے اس حکم سے حسین علیہ السلام کے پروگرام کو مدد مل رہی ہے حسین علیہ السلام کا پروگرام اور لائحہ عمل یہ تھا کہ مظلومیت کی فضاء پیدا کر کے عوام کی فکر کو یزید کے خلاف ابھارا جائے وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آجائے۔ کہ جسے بنیاد بنا کر نشر و اشاعت کرنے سے لوگوں کی فکریں بھڑک اٹھیں۔ لوگ بھڑک اٹھیں اور

اسلامی معاشرہ میں دشمن کی کمر توڑ دینے والا ایک عظیم انقلاب برپا ہوجائے۔ایسا انقلاب کہ جو یزید کی ظالم حکومت اور اس کے تخت کو اپنے مقدس شعلوں سے جلا کر خاکستر کردے اور اسے ہوا میں اڑادے۔

یہ حسین علیہ السلام کا لائحہ عمل تھا۔

کیا پانی روکنے کا حکم اس لائحہ عمل کے لئے مدد گار ثابت نہیں ہوا؟ کیا تشنگی اور پیاس نے مظلومیت کے رنگ کو مزید گہرا نہیں کردیا؟ چودہ صدیوں سے انسانیت تشنگانِ کربلا کی یاد میں آنسو بہارہی ہے اور اموی حکومت کی اس حرکت پر لعنت بھیج رہی اور نفریں کررہی ہے۔جس چیز نے قتل اور شہادت سے زیادہ لوگوں کے دلوں پر اثر کیا اور اسے یزید کے خلاف بھڑکایا' وہ یہی پیاس اور پانی سے محرومی کا مسئلہ تھا زینب علیہا السلام اور زین العابدین علیہ السلام نے اس حربے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا اور ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کے افکار کو یزید کے خلاف بھڑکایا۔انہوں نے اس کو بنیاد بنا کر ایک ایسا انقلاب برپا کردیا کہ جس کی موجیں چودہ صدیوں بعد بھی اسی طرح زمانے کے ساحلوں پر تھپیڑے ماررہی ہیں'ایک ختم نہ ہونے والا شور اور ولولہ پیدا ہوگیا ہے اور یہ انسانیت ہی ہے کہ جو روزِ عاشور حسین علیہ السلام کے قتل کئے جانے' ان کے پیاسے رہ جانے اور ان کی مظلومیت و محرومیت کا سوگ مناتی ہے اور ظالم اموی حکومت پر لعنت ونفرین بھیجتی ہے۔

حسین علیہ السلام نے آٹھ ذی الحجہ کو مناسکِ حج پورے کئے بغیر ہی حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور سرزمینِ حرم سے نکل آئے اہل بیتؑ اور معصوم بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور حج کرنے والوں کے اژدہام سے نکل کر بیابان کا راستہ

اختیار کیا۔ایسی بات تاریخ اسلام تو درکنار تاریخِ عرب میں بھی کبھی پہلے نہیں ہوئی تھی کہ کوئی آٹھ تاریخ کو حج مکمل کرنے سے پہلے ہی حرم سے نکل جائے اور کسی اور منزل کی جانب چلا جائے لیکن ناگہاں پورے مکہ کو ہوش آجاتا ہے لوگ وحشت اور پریشانی کا شکار ہوجاتے ہیں وہ نواسۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے درمیان نہیں دیکھتے ہیں۔کل تک جو اس شمع کے گرد پروانوں کی طرح گردش کررہے تھے آج ان کو اپنا محور نظر نہیں آرہا ہے۔

جو لوگ دور دراز کے بیابانوں سے آئے تھے اور جن کے دل بیابان کی طرح پاک و پاکیزہ تھے وہ خوش تھے کہ اس سال مناسکِ حج فرزندِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سرپرستی میں انجام دے رہے ہیں،ان کو پردہ کے پیچھے کی سیاسی کارروائیوں کی کوئی خبر نہیں تھی،ان کے دل آسمان کے خوبصورت سینے کی طرح صاف اور چمکدار تھے،وہ واقعی مومن اور اہلِ بیت پیغمبرؐ کے چاہنے والے تھے لیکن وہ قطعاً نہیں جانتے تھے کہ سیاست کے منحوس پردہ کے پیچھے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نورِ چشم کے ساتھ کیا کچھ ہورہا ہے،وہی پیغمبرؐ جو ان کے لئے آسمان سے سعادت و عظمت کا تحفہ لائے تھے۔

اب ہونا یہ چاہئے کہ صحرا کے یہ پاکدامن افکار جو معاویہ اور یزید کے مسموم و زہر آلود پروپیگنڈوں سے سیاہ نہیں ہوئے ہیں بیدار ہوجائیں۔انہیں حالات سے باخبر ہوجانا چاہئے اور اموی خاندان کی حقیقت جان لینا چاہئے،ان افکار کو بھڑکنا چاہئے اور اس پلید اور ننگ آلود خاندان کو اپنے مقدس شعلوں کی لپیٹ میں لے کر جلا ڈالنا چاہئے۔

حسین علیہ السلام نے مکہ سے اچانک نکل کر سب کو چونکادیا پردوں کو

ہٹادیا اور لوگ سیاسی حالات سے واقف ہوگئے جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؑ کیوں مکہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ شام کے دہشت پسند اپنے احراموں کے نیچے ننگی تلواریں چھپائے ہوئے ہیں اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ اس حرمِ پاک الٰہی میں میرا خون بہے اور یوں حرم کی حرمت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔"

یہ ہیجان انگیز خبر ایک دہشت ناک طوفان کی طرح پھیل گئی لوگوں کے دلوں میں یزید کی حکومت کے خلاف شدید نفرت ابھر آئی۔ حسین علیہ السلام اپنے اس سادہ لیکن ماہرانہ عمل کے ذریعہ مکہ میں بھی ہیجان اور انقلاب پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔اس طرح انہوں نے اپنے لائحہ عمل کے پہلے مرحلہ کو بخوبی مکمل کیا اور اب انہیں دوسرے مرحلہ کا آغاز کرنا تھا۔

ہم نے کہا تھا کہ سرد جنگ میں پہلا کام ہیجان اور جوش و ولولہ پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس کے بعد دوسرا بنیادی کام ایک مضبوط اور موثر بنیاد فراہم کرنا ہوتا ہے تاکہ اس بنیاد کو سامنے رکھ کر اس کی تشہیر کرنے سے یہ ہیجان طوفان میں بدل جائے۔ یہ طوفان اس قدر تیز اور زبردست ہونا چاہئے کہ حریف کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردے بلکہ اسے نیست و نابود کردے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حسین علیہ السلام ایسی موثر بنیاد فراہم کرنے کے لئے دوسرے مرحلے میں کیا کچھ کرتے ہیں اس مقام پر بہتر ہوگا کہ ہم انسان کی روح اور اس کے حقیقی اور فطری رجحانات پر ایک نظر ڈالیں۔

انسان فطری طور نیکی اور عدل و انصاف کی طرف مائل ہوتا ہے اور ظلم و ستم سے دلی نفرت کرتا ہے۔مظلوموں کی مظلومیت ہی سب سے زیادہ انسان کی روح کو لرزا دیتی ہے۔انسان ظالم اور مظلوم کے لئے اپنے دل میں بالکل ایک دوسرے کی ضد پر مبنی احساسات رکھتا ہے۔اس کا پورا وجود ظالم کے خلاف بھڑک اٹھتا ہے اور اس کا دل اس کی نفرت سے لبریز ہوتا ہے لیکن وہ مظلوم کے لئے اپنے دل میں بالکل اس کا الٹ احساس رکھتا ہے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کو بھڑکانے کے لئے بہترین بنیاد مظلومیت کی ایک حقیقی تصویر پیش کرنا ہے جس میں ظالم کا ظلم پورے طور پر عیاں ہو اور اس کے ظلم کی تاریکی لوگوں کو صاف نظر آئے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت جب اموی خاندان اور یزید کو ایک بہت بڑے ظالم کی حیثیت سے پہچانے گی اور اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو مظلوموں کے خونِ ناحق سے رنگین دیکھے گی تو یقیناً اس کا دل لرز اٹھے گا اس کی روح میں آگ سی لگ جائے گی اور اسی مقدّس آگ کے شعلے ظالم و جابر یزید کی حکومت کو جلا کر خاکستر کردیں گے۔

یہیں پر حسین علیہ السلام کی عظمت' انسانیت کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے' انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک ایسی بہترین بنیاد فراہم کریں گے کہ جو انسان کی روح کو جھنجھوڑ دے پھر اس بنیاد کو زینب علیہا السلام اور زین العابدین علیہ السلام کے سپرد کردیں گے تاکہ وہ اس کی تشہیر کریں اور انقلاب کی آگ بھڑک اٹھے اور اموی خاندان گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائے۔

واقعاً" خود حسین علیہ السلام کے قتل کردیئے جانے سے زیادہ موثر اور

لرزا دینے والی بنیاد اور کیا ہو سکتی ہے؟ ان کا قتل ایک ایسی بہترین بنیاد ہے جو مسلمانوں کے قریب المرگ معاشرہ کو دوبارہ زندہ کردے گی اور ان کے بے جان جسموں میں ایک حیات بخش روح پھونک دے گی۔ اب حسین علیہ السلام کو ایک عظیم قربانی دینا ہے۔ایک بے مثال قربانی اور یہی بے مثال قربانی ان کے لائحہ عمل کی بنیاد ہے۔

جی ہاں داستانِ کربلا کی جتنی بھی عظمت ہے' آستانِ حسینی کی جتنی بھی حرمت ہے وہ سب اسی عظیم قربانی کے سبب سے ہے یہی قربانی داستانِ کربلا کی اساس ہے۔

حسین ابن علی علیہ السلام اس مضبوط اور موثر بنیاد کو فراہم کرنے کے لئے مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوگئے۔

قربان گاہ کی طرف

وہ چاہتے ہیں کہ سرزمینِ کربلا کو ہمیشہ یاد رہنے والی قربان گاہ بنادیں ایسی قربان گاہ جو خون کے سیلاب کا سرچشمہ ہو ایسا سیلاب جس کی طاقتور موجوں کے تھپیڑے یزید کے خاندان کو لے ڈوبیں۔ حسین علیہ السلام خود قربان گاہ کی طرف گئے' عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی اپنے ساتھ لیا ان کو بھی قربان گاہ میں لے آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس طرح ان کی مظلومیت کی تاثیر اور بڑھ جائے۔انہوں نے اپنے عظیم مقصد کے لئے اپنے چھ ماہ کے بچے تک کی قربانی دی۔انہوں نے واقعہ' کربلا کو ایک ایسا واقعہ بنادیا کہ سنگدل ترین لوگوں پر بھی لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور وہ بھی ان ظالموں پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں جو اس دردناک واقعے کا سبب بنے ہیں۔

حسینؑ کے باقی ماندہ عزیزوں کی ذمہ داری

روزِ عاشورا حسین علیہ السلام نے اپنے لائحہ عمل کے دوسرے مرحلہ کو بھی مکمل کرلیا اور تشہیر کے لئے بہترین اور موثر ترین بنیاد فراہم کردی۔ یہاں سے زینب علیہا السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام کی ذمہ داری شروع ہوتی ہے، یہ حسین علیہ السلام کے وہ باقی ماندہ عزیز ہیں جنہیں پروگرام کے تیسرے مرحلہ پر عمل کرنا ہے، اسیری کا لباس پہن کر حسین علیہ السلام کے قتل اور ان کی مظلومیت کی تشہیر کرنا اور اسلامی معاشرہ کو جھنجھوڑنا ہے۔

انہوں نے اپنی یہ عظیم ذمہ داری بخوبی انجام دی اسی تشہیر کے سبب ایک ایک کرکے تمام اسلامی شہروں میں ایک عجیب انقلابی جوش پیدا ہوگیا۔ حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لوگ تیار ہوگئے اور اموی خاندان کے لئے کام کرنا مشکل ہوگیا۔ انہی واقعات کے چند روز بعد اموی خاندان پر زوال آجاتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے موت اور بدنامی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ اسی دقیق اور سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کی سمت روانہ ہوئے تھے۔

ہم نے ذکر کیا تھا کہ حسین ابنِ علی علیہ السلام نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم علیہ السلام کو کوفہ والوں کے جواب کے طور پر کوفہ بھیجا تھا۔ یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک بار پھر تھوڑا سا پیچھے چلے چلیں اور وہاں سے اس واقعہ کو دوبارہ شروع کریں۔

مسلمانوں پر حکومت کی بات

وہ بیابانوں کو تیزی سے طے کررہے تھے اور ریگزار کے اوقیانوس کو جلدی جلدی پار کررہے تھے' اتنا زیادہ چلنے سے اونٹ بہت تھک گئے تھے لیکن ان کی تھکن سے بے پرواہ اسی طرح آگے بڑھتے رہے بڑا لمبا راستہ تھا اور بیاباں بھی بہت وسیع تھے اور ختم ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔حجاز میں بے ہمت کردینے والے کئی بیابان ہیں نہ پانی ہے نہ آبادی کا نام و نشان نہ تو درخت کی ایک شاخ ہے اور نہ گھاس کا ایک پتہ۔ افق آسمان کو زمین سے ملا کر سی رہا تھا اوپر نیلگوں آسماں اور نیچے ریگزار کا سمندر تھا پوری دنیا ایک ہی جیسی محسوس ہورہی تھی۔ ایک ہی جیسے منظر کا بار بار دکھائی دینا کسی مسافر کے حوصلہ کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور بے ہمتی کے اس عالم میں تھکن تو جان لے ڈالتی ہے' روح کھینچتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ایک زبردست سوہانِ روح اعصاب پر طاری ہوجاتا ہے جو طاقتور آدمی کی بھی طاقت چھین لیتا ہے۔

وہ ایسے بیابانوں سے گزر رہے تھے لیکن نہ تو انہیں تھکن کا احساس تھا اور نہ ہی نیند آرہی تھی کیونکہ ان کے ذہن ایک بہت بڑی بات پر غور کررہے تھے ایسی بات کہ جو اس وقت کی دنیا کی قسمت کے فیصلہ سے متعلق تھی ان کو حکم ملا تھا کہ وہ جلد از جلد کوفہ سے مکہ جائیں اور عراقیوں کا خط حسین علیہ السلام کے حوالے کریں۔

دونوں کا نام عبداللہ تھا ایک مسمع کا بیٹا تھا اور ایک وال کا۔ معاویہ نے ابھی ابھی اس دنیا سے رحلت کی تھی اور اسلام کی وسیع سلطنت یزید کی

حکومت اور خلافت کے زیر اثر ہوگئی تھی۔ یہ دو خبریں ایک معاویہ کی موت اور دوسرے یزید کی خلافت' تیز رو اونٹنیوں کی سی تیزی سے ہر جگہ پہنچ چکی تھیں مدینہ میں' مکہ میں' عراق میں غرض مسلمانوں کی تمام آبادیوں میں یہ خبر پہنچ گئی تھی۔

سب معاویہ کی موت سے مطلع ہوچکے تھے اور سب نے یہ بھی جان لیا تھا کہ اس کے بعد یزید نے خلافت کا عہدہ سنبھالا ہے۔

یہ مسئلہ اسلامی معاشرہ کے لئے قابل غور تھا۔ خلافت یعنی پیغمبرؐ کی جانشینی اور خلیفہ یعنی وہ جو کہ آثارِ نبوت کی حفاظت کا ذمہ دار ہو اور اسلامی قوانین کے مطابق اسلامی معاشرے کا انتظام سنبھالے۔

اس عہدہ کے لئے سب سے پہلی اور سب سے اہم شرط ایمان ہے خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمانؐ اسلام اور اس کے آسمانی قوانین پر ایمان۔ پیغمبرؐ کا جانشین مومن' معتقد اور ہر قسم کی رذالت سے دور ہونا چاہئے۔یہ خود اسلام ہی ہے جس نے پیغمبرؐ کی جانشینی کی بنیادی شرط "عصمت" یعنی گناہوں سے پاک ہونا قرار دی ہے۔

اگر ہوس و شہوت اور خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار شخص یہ عہدہ سنبھال لے تو اس بات کا اطمینان حاصل نہیں ہوتا کہ وہ معاشرے کی بڑی بڑی مصلحتوں اور اس کے تقاضوں کو اپنی ہوس پر قربان نہیں کرے گا اور نفسانی خواہشات اور دلی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے عوام کے فائدے کو نظر انداز نہیں کرے گا۔

جانشینِ پیغمبر ہونا اور مسلمانوں کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا جس قدر بڑا

اور اہم منصب ہے اس کی ذمہ داری بھی اسی قدر بڑی اور اہم ہے اور اسی قدر اس میں سختی اور دشواری بھی ہے۔

حاکم یعنی وہ جس کا عمل اور جس کی فکر لاکھوں عوام کی قسمت پر اثر انداز ہو کیونکہ عوام اس کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔

جب ایسا ہے تو حاکم کی ذات دوسروں کی نسبت ممتاز ہونی چاہئے اس کی شخصیت ایسی ہونی چاہئے کہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی پر کنٹرول کرے نہ کہ خود خواہشات کے زیرِ اثر ہو اسے ایک ایسا انسان ہونا چاہئے کہ جو ہوس اور شہوت پر مسلط ہو نہ کہ ہوس اور شہوت کا اسیر۔ کیا یزید میں یہ شرائط موجود ہیں؟

یزید تو وہی ہوس کا پتلا ہے جس کی تمام عمر عیش و نوش میں بسر ہوئی ہے یہ وہی شہوتی جوان ہے کہ جو ہمیشہ شراب میں مست رہا ہے یہ وہی شخص ہے کہ جس کا دل "ارینب" نامی شوہردار عورت پر مرمٹا تھا اور جس نے اسے حاصل کرنے کے لئے بہت سی چالیں چلی تھیں اور دھوکے دیئے تھے۔

وہ اور مسلمانوں پر حکومت؟

وہ اور پیغمبرؐ کی جانشینی؟

واقعی یہ کیسا خیالِ خام ہے!

جس دن وہ مسندِ حکومت پر بیٹھے اس دن اسلام اور فضیلت پر فاتحہ پڑھ لینا چاہئے' اس دن شرافت و دیانت کا محل اکدم ریزہ ریزہ ہوجائے گا۔ اور مسلمانوں کے بڑے بڑے امور سب ہوا و ہوس کے شکار ہوجائیں گے۔ ایسا دن مسلمانوں کی بدبختی کے آغاز کا دن ہوگا ان کی موت اور نیست و نابود

ہوجانے کا دن ہوگا۔

نہیں یہ ممکن نہیں ہے وہ اس عہدہ کے لئے مناسب و شائستہ نہیں۔ خلافت اور جانشینیٔ پیغمبرؐ کا لباس یزید کے مکروہ بدن پر بہت بڑا ہے۔کم از کم یہ فکر و عقیدہ اسلامی معاشرہ میں پھیل رہا تھا اور یزید کے خلاف ایک انقلاب اور عمومی ہیجان کی راہ ہموار کررہا تھا۔

اور ایسے میں سب خاندانِ نبوت کے ردِّعمل کو دیکھنے کے منتظر تھے اس وقت ۶۰ھ میں حسین ابن علی علیہ السلام خاندانِ نبوت کے سب سے روشن چراغ اور سب سے اہم فرد تھے' سب یہ دیکھنے کے منتظر تھے کہ جدید حکومت کے لئے حسین علیہ السلام کا ردِّعمل کیا ہے۔

کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟

کیا وہ جھک جائیں گے اور بیعت کرلیں گے؟

یا پھر یہ کہ وہ یزید کے خلاف جنگ کا اقدام کریں گے؟

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ خبر مذہبی اجتماعات میں دھماکہ خیز ثابت ہوئی کہ حسین علیہ السلام نے بیعت نہیں کی سب نے جان لیا کہ حسین علیہ السلام نے جدید حکومت کو تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ جب ان پر بیعت کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو وہ بجائے بیعت کرنے کے راتوں رات مدینہ سے نکل پڑے اور مکہ کی طرف حرکت کی ہے۔

اس خبر نے گتھیوں کو کھول دیا' لوگوں میں ہیجان اور جوش و خروش کا عالم پیدا ہوگیا تمام اسلامی شہر اس کی لپیٹ میں آگئے ان میں سے ایک شہر کوفہ تھا۔

کوفہ انقلاب کے آستانے پر

کوفہ کے لوگ بہت زیادہ نئی خبروں کی فکر میں لگے رہتے تھے، وہ مختلف حالات سے بہت جلد متاثر ہوجاتے تھے، وہ خاندانِ پیغمبرؐ سے لاتعلق بھی نہیں تھے لیکن چونکہ متلوّن مزاج تھے اور ایک حالت پر برقرار نہ رہتے تھے اس لئے ان کی محبت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ایک دن ان پر جوش سوار ہوتا تو دوسرے دن خاموش بیٹھے رہتے ایک دن انقلاب کی سوجھتی تو اس کے دوسرے ہی دن خاموشی کو بہتر سمجھنے لگتے۔

نئے واقعات کا کھوج لگانے والی طبیعت کے سبب دیگر تمام مقامات سے زیادہ کوفہ پر معاویہ کی موت اور یزید کی خلافت کی خبر نے اثر کیا اور اس کے علاوہ دیگر چند اسباب نے بھی اپنا کام کیا،نتیجہ میں وہ جوش و خروش کا اظہار کرنے لگے۔

کوفہ وہ شہر ہے جو ایک دن اسلام کا دارالخلافہ اور مرکز حکومت تھا ان دنوں کوفیوں کا خاص احترام کیا جاتا تھا اور وہ اپنی اس وقعت سے بہت فائدے میں رہتے تھے لیکن معاویہ کے حکومت سنبھالنے کے بعد دارالحکومت کوفہ سے شام منتقل ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں کوفیوں کی عزت اور احترام میں بھی کمی واقع ہوگئی۔اب کوفہ اسلامی شہروں اور اسلامی معاشرہ کا چشم و چراغ نہیں تھا بلکہ دیگر شہروں کی طرح ایک شہر تھا اور یہاں کے لوگ بھی مجبور تھے کہ وہ بھی سب کی طرح شام کی پیروی کریں۔اس بات نے کوفے کے لئے ایک مسئلہ پیدا کردیا تھا۔

لہٰذا وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ دوبارہ کوفہ کو مرکز اور اسلام کا پائے

تخت قرار دیں۔

معاویہ جو خاصا چالاک تھا کوفیوں کو کوئی موقع فراہم نہ ہونے دیتا تھا انہیں طغیان اور سرکشی کی فرصت نہ ملنے دیتا اور اس کا کوئی بہانہ ان کے ہاتھ نہ آنے دیتا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی وصیت میں بھی یزید سے کہتا ہے کہ

"بیٹا! کوفیوں کا خاص خیال رکھو ان کا لحاظ کرو حتیٰ کہ اگر وہ تم سے روز روز اپنے والی کو تبدیل کرنے کا مطالبہ بھی کریں تو تم ان کی بات قبول کرکے کوفہ کے والی کو تبدیل کرتے رہنا۔ یہ اس بات سے بہتر ہے کہ ایک لاکھ شمشیر زنوں کو اپنے خلاف تلوار اٹھائے دیکھو۔"

اپنے دور حکومت میں معاویہ بڑی چالاکی سے کوشش کرتا تھا کہ کوفہ کے امن و سکون کو محفوظ رکھے اور وہاں کوئی جنجال پیدا نہ ہو۔ وہ اپنی طاقت کے ذریعہ ہر طغیانی کو ابھرنے سے پہلے ہی ختم کردیتا تھا۔

لیکن اب تو معاویہ دنیا سے چلاگیا ہے اس کا کنٹرول بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہوچکا ہے اس کی جگہ ہوس کا پتلا، شہوت پرست یزید مقامِ خلافت پر آبیٹھا ہے۔

اور یہ ایک ایسا موقع ہے کہ جس سے کوفی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاسکتے اور مرکزِ حکومت کو شام سے کوفہ منتقل کرنے کے لئے کوششیں کرسکتے ہیں۔

کوفہ میں حبیب ابن مظاہرؓ جیسے مخلص اور وفادار لوگ بھی موجود تھے بعض کوفی واقعاً ایمان اور عقیدہ کی پختگی کے ساتھ اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اولادِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف مائل تھے۔

ان کی آرزو تھی کہ کسی دن حق کو اس کا اصلی مقام واپس ملے اور فرزندانِ علی علیہ السلام مسندِ خلافت پر فائز ہوجائیں۔ معاویہ کی موت نے انہیں اتنی فرصت فراہم کی کہ ان میں جوش و خروش پیدا ہوگیا اور وہ اس قابل ہوئے کہ اموی خاندان سے طاقت کو علوی خاندان میں منتقل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس طرح معاویہ کی موت کے بعد کوفہ میں انقلاب کے قطعی آثار پیدا ہوگئے۔

معاویہ کی موت کے علاوہ جب یہ خبر بھی ملی کہ حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت نہیں کی تو گویا اس بارود کے ڈھیر کو ماچس لگ گئی کوفیوں کے احساسات میں حد سے زیادہ شوروہیجان پیدا ہوا اور وہ شعلہ کی طرح بھڑکنے لگے۔ انہوں نے اموی حکومت کے خلاف اور حسین ابن علی علیہ السلام کی حمایت میں شدید کارروائی کا آغاز کردیا۔

کوفہ، حسین ابن علی علیہ السلام کو دعوت دیتا ہے

کوفیوں نے اپنی اس کارروائی کا مرکز "سلیمان صرد خزاعی" کے مکان کو قرار دیا اور اموی حکومت کے خلاف ایک مضبوط پارٹی تشکیل دی۔

پارٹی کی کارروائی کے دو پہلو تھے ایک منفی اور ایک مثبت۔ منفی پہلو کا نشانہ یزید اور بطورِ کلی اموی حضرات تھے۔ اس پارٹی نے شدید اور صاف و صریح الفاظ میں یزید اور آلِ سفیان کی مذمت شروع کردی اور ان کے خلاف عوام کو بھڑکانا شروع کردیا۔ جبکہ مثبت پہلو کا ہدف حسین ابن علی علیہ السلام اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

وہ مسلمانوں پر حکومت کو علی علیہ السلام کے بیٹے کا مسلّم حق سمجھتے تھے،

انہوں نے حسین علیہ السلام کو مقامِ خلافت کا امیدوار قرار دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کارروائی اسی وقت مفید ثابت ہو سکتی ہے کہ جب حسین ابن علی علیہ السلام خود کوفہ آئیں اور اس انقلاب اور پارٹی کی رہبری کریں۔ اسی فکر کی بنیاد پر ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ حسین ابن علی علیہ السلام کو دعوت دی جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ جلد از جلد کوفہ کی طرف حرکت کریں۔

دعوت نامہ لکھا گیا

دو آدمیوں کو ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ جلد از جلد انتہائی تیزی سے کوفہ اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ طے کریں اور یہ خط حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں۔

ان دونوں کا نام عبداللہ تھا۔ ایک مسمع کا بیٹا اور دوسرا وال کا۔ یہ دونوں قاصد مکہ کی طرف دوڑے۔ کوفہ اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ کم سے کم مدت میں طے کیا اور حسین علیہ اسلام کی خدمت میں وہ خط دس رمضان کو پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس خط میں لکھا تھا:

"یہ ایک خط ہے حسین ابن علی علیہ السلام کے لئے سلیمان ابن صرد و مسیب بن نجبہ' رفاعہ ابن شداد' حبیب ابن مظاہر اور کوفہ کے شیعوں اور مومنوں کی طرف سے

آپ پر سلام!

اور خدا کی تعریف کہ جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔۔۔ اس

خدا کی تعریف کہ جس نے آپؑ کے ظالم دشمن کو موت کا نوالہ بنادیا۔ وہی دشمن کہ جس نے امت پر ظلم کا ہاتھ دراز کر رکھا تھا اور حکومت اپنے قبضہ میں لے رکھی تھی عوام کے حقوق پائمال اور ان کی آزادی سلب کررکھی تھی وہ ان کو راضی رکھے بغیر ان پر حکومت کرتا تھا وہ نیک لوگوں کو تہہ تیغ کردیتا اور برے لوگوں کو باقی رکھتا تھا۔ مسلمانوں کے بیت المال کو ظالموں اور امیر طبقہ پر خرچ کرتا تھا۔ وہ رحمتِ الٰہی سے دور تھے جس طرح کہ قومِ ثمود اس کی وسیع رحمت سے دور تھی۔

ہم آج کل بغیر پیشوا کے ہیں
ہمارے پاس امام اور رہبر نہیں ہے۔
ہم آپؑ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپؑ ہمارے
پاس آجائیں۔ خدا آپؑ کے وجود کی برکت سے ہمیں حق کی
طرف ہدایت کرے"

اس کے بعد انہوں نے والیٔ کوفہ کے بارے میں جسے شام کی حکومت نے منصوب کیا تھا کچھ اس طرح سے لکھا کہ:

"اس وقت نعمان بشیر دارالامارہ کے محل میں ہے وہ بظاہر مسندِ حکومت پر بیٹھا ہے لیکن ہم نہ تو اس کی نمازِ جمعہ میں شرکت کرتے ہیں اور نہ ہی عید کی نماز اس کے پیچھے پڑھتے ہیں۔"

"ہم نے خود کو آپؑ کے آستانہ کے لئے وقف کردیا ہے جب ہم آپؑ کو

اپنی طرف آتا دیکھیں گے تو اسے کوفہ سے نکال کر واپس شام بھیج دیں گے۔"

حسین ابنِ علی علیہ السلام نے خط پڑھا لیکن نہ تو اس کا جواب لکھا اور نہ ہی کسی قابل توجہ ردِ عمل کا اظہار کیا۔

کوفیوں نے اس خط کے جواب کا انتظار کئے بغیر دو روز بعد اور بہت سے خط لکھے اور حسین ابن علی علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اس کے بعد تو کوفہ سے حسین ابن علی علیہ السلام کی طرف خطوں کا ایک سیلاب بہنے لگا۔

کہتے ہیں کہ تقریباً بارہ ہزار خط کوفہ سے حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ ان خطوط میں کوفہ کے لوگوں نے حسین علیہ السلام کی کھلم کھلا حمایت کا اعلان کیا تھا اور اموی خاندان خصوصاً یزید سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا۔

"اے حسین علیہ السلام! ہمارے پاس آجایئے اور اس کام میں جھجک نہ فرمایئے ہماری آنکھیں آپؑ کے راستہ میں بچھی ہیں ہماری تلواریں آپؑ کی پشتیبان اور محافظ ہیں۔"

انہوں نے لکھا تھا کہ:

"ہم آپؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے، ہم سب آپؑ پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ ہیں، ہماری طرف جلد آجائیں، ہم آپؑ کے دیدار کے انتظار میں ایک ایک لمحہ گن رہے ہیں۔"

انہوں نے لکھا تھا:

"کوفہ میں بہار آگئی ہے، باغات سرسبز و شاداب ہوچکے ہیں،

درخت پھلدار ہوگئے ہیں اور ہماری سرزمین آپؐ کے استقبال کے لئے آمادہ ہے۔"

"جلدی آیئے ایک لشکر آپؐ پر جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے' آپؐ کی مدد کرنے کے لئے آمادہ ہے' آپؐ کو آپؐ کے دشمن پر فتحیاب کرنے کے لئے تیار ہے۔"

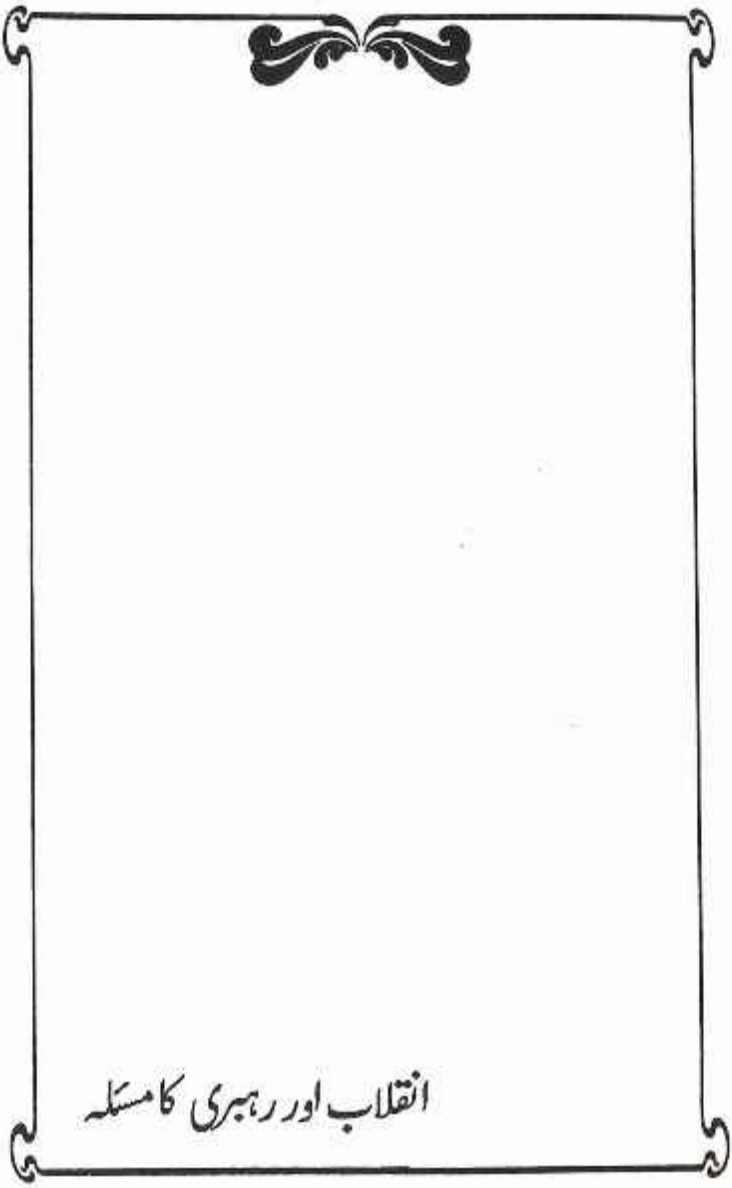

انقلاب اور رہبری کا مسئلہ

انقلاب کو اگر صحیح قیادت نہ ملے' اگر اس کی صحیح رہبری نہ ہو تو وہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے اور معاشرہ کی بنیادوں کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔

انقلاب سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کہیں اپنی ڈگر سے ہٹ تو نہیں رہا' ایک بااثر اور مقتدر قیادت کی ضرورت ہوتی ہے' جو اپنے اثر و نفوذ کو بروئے کار لاتے ہوئے پرجوش لوگوں کو اصل مقصد کی راہ پر گامزن کرے اور ان سے صحیح طور پر فائدہ اٹھائے۔

رہبرِ انقلاب ایسی شخصیت کا حامل ہونا چاہیے جسے عوام قبول کرتے اور مانتے ہوں تاکہ عوام کی انقلابی طاقت اس کی فرمان بردار ہو اور لوگ اس کے ہر حکم کو انتہائی ایمان اور عقیدہ کے ساتھ مانیں۔

کوفیوں نے جب اموی خاندان کے خلاف اور علوی خاندان کی حمایت میں اپنی پارٹی تشکیل دی تو ان کو یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ انقلاب کے لئے کس کو رہبر مانیں؟

ان کا مقصد اور ہدف واضح تھا۔

اور وہ تھا اموی حکومت کا تختہ الٹنا اور علوی خاندان کو مسندِ حکومت پر

بٹھانا۔ یہ ہدف اس قدر صاف اور واضح تھا کہ اسی ہدف نے ان کی رہنمائی کی اور بتا دیا کہ رہبر کون ہونا چاہیے۔

انھوں نے سوچا کہ :

جب امت پر حکومت کی باگ ڈور' خاندانِ علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں دینا ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ علی علیہ السلام کے بیٹے حسین علیہ السلام اس خاندان میں سب سے زیادہ فضیلت والے اور سب سے زیادہ با اثر شخصیت ہیں؟

ان کی سابقہ زندگی روشن ہے۔ ان کی شخصیت کو سب مانتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ ان کا احترام کرتا ہے۔ پس کتنا اچھا ہو کہ وہ خود اس انقلاب کی رہبری اور ہدایت فرمائیں اور ہمیں ہدف اور مقصد تک پہنچائیں۔

اسی سوچ اور فکر کے نتیجے میں کوفیوں نے بہت سے خطوط حسین ابن علی علیہ السلام کو لکھے کہ وہ کوفہ تشریف لے آئیں۔

انھوں نے حسین علیہ السلام کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لئے اور انھیں کوفہ بلانے کے لئے ہر ممکن وسیلہ سے کوشش کی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے خطوط میں بھی ہر طریقہ سے اپنی بات منوانی چاہی۔

ایک خط میں کوفہ کے موسمِ بہار کی تعریف کی ہے تو کبھی فوجی سازو سامان کی فراہمی اور فراوانی کا ذکر ہو رہا ہے۔

کہیں عوام کے حقوق کے پامال ہو جانے کا ذکر ملتا ہے تو کہیں ظالموں کے ظلم کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔

یہ سب باتیں اس لئے تھیں کہ بہرحال وہ کوفہ تشریف لے آئیں اور انقلاب کی رہبری فرمائیں۔

لیکن ان خطوط میں سے کسی نے بھی حسین ابن علی علیہ السلام کی روح پر بھرپور اثر نہیں کیا۔

وہ کوفیوں کو بخوبی پہچانتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے یہ جذبات صرف وقتی طور پر ابھرے ہوئے ہیں۔ یہ سطحی اور ناپائیدار جذبات ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ یہ احساسات آگ کی طرح بھڑکنے والے ضرور ہیں لیکن یہ آگ جلد ٹھنڈی ہو جائے گی۔

اگرچہ حسین علیہ السلام کے نزدیک ایسا انقلاب ضروری تھا اور انھوں نے یزید سے بیعت نہ کر کے خود اس انقلاب کے لئے راہ ہموار کی تھی لیکن وہ اس تحریک کی ابتداء اور اس انقلاب کا گڑھ کوفہ اور اس کے بے بھروسہ لوگوں کو قرار نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو ایسا کام کرنا تھا جس میں کامیابی سو فیصد یقینی ہو اور جس میں ناکامی کا ذرا سا بھی امکان نہ ہو۔

ان کا ہدف کچھ اور تھا اور کوفیوں کا ہدف کچھ اور۔ گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ باقی سب کوفیوں کا مقصد یہ تھا کہ انقلاب کے ذریعے ان کی کچھ حیثیت بن جائے اور دارالخلافہ کو شام سے کوفہ منتقل کر کے اپنی وقعت اور مقام میں اضافہ کر لیں۔

لیکن حسین علیہ السلام کا مقصد کچھ اور ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ ایک بے مثال انقلاب کے ذریعہ ظلم و ستم کی حکومت کا خاتمہ کر دیں اور اسلام جیسے اعلیٰ دین کو دنیا میں پہنچوا دیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام یزید جیسے ظالم اور نالائق حکمران کے ساتھ کیسے سلوک کا حکم دیتا ہے۔

جو چیز ان کے خیال میں بھی نہیں ہے وہ اپنی ذاتی کامیابی اور خود کو مسندِ خلافت تک پہنچانے کی بات ہے۔

ان کو کوفہ اور شام سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ایک شہر سے حکومت دوسرے شہر میں منتقل کرنے سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

ان کی تو ایک عالم پر نظر ہے۔ وہ انسانیت کی خاطر قیام کر رہے ہیں۔ ان کی نظر کی وسعت زمانوں اور صدیوں سے بھی آگے تک پھیلی ہوئی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ خوں رنگ دینِ اسلام کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیں۔ ایک ایسے دین سے لوگوں کا تعارف کرا دیں جو کہ جانبازوں اور قربانی دینے والوں کو تربیت دیتا ہے۔ جو ظلم کی زنجیر توڑ دیتا ہے اور جو عدل و انصاف میں روح پھونک دیتا ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ عقیدہ کی خاطر قربانی کا مطلب دنیا والوں کو بتائیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ خون کا ایک سیلاب بہا دیں۔ ایک ایسا سیلاب کہ جس کی موجیں زمانے کے آخری ساحلوں سے ٹکراتی ہوں۔ ایک ایسا سیلاب جو ہر عصر اور ہر دور میں بہادر اور جری لوگوں کے لئے الہام کا سرچشمہ ہو' ان کو طاقت اور تازگی بخشتا ہو اور ظلم کی زنجیروں کو توڑنے میں ان کا مددگار ہو۔

یہ ہے حسین علیہ السلام کا وہ ہدف اور مقصد جس کے لئے وہ جستجو کر رہے ہیں۔

اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ وہ کوفیوں جیسے' پہلے سے آزمائے ہوئے لوگوں

کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے باوجود ان کو جواب نہ دینا حسین علیہ السلام جیسے عالی مرتبت شخص کے شایان شان نہیں تھا۔

اس کے علاوہ وہ ان بھڑکے ہوئے احساسات کو' اگرچہ کہ وہ سطحی اور ناپائیدار ہی کیوں نہ ہوں' نظر انداز کیوں کریں' جہاں تک ان سے ممکن ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

آخر خود انھوں نے ہی تو عالمِ اسلام کے عوام کی فکر کو جھنجھوڑنے کے لئے اپنا پروگرام ترتیب دیا ہے۔

ان کا پروگرام اور لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ ہیجان پیدا کر کے ایک عمومی انقلاب کی راہ ہموار کر دیں اور اس کے بعد'

اس کے بعد کربلا میں اپنی دلسوز مظلومیت اور اپنی متاثر کر دینے والی شہادت کو زبردست بنیاد کی حیثیت سے اپنے باقی ماندہ عزیزوں کے سپرد کر دیں۔

اور پھر یہ ان کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس شہادت اور مظلومیت کی تشہیر کریں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے افکار کو اشتعال دلائیں۔ اس طرح کہ یہ اشتعال ایک طغیانی اور انقلاب میں تبدیل ہو جائے ایک ایسے انقلاب میں جو کہ یزید کو ختم کر کے رکھ دے اور جو ظلم اور ظالم کو نیست و نابود کر دے۔

اب جب کہ کوفہ میں خود ہیجان پیدا ہو گیا ہے تو حسین علیہ السلام اس ہیجان اور جوش و خروش کو کیوں نظر انداز کریں اور کیوں اپنی بے اعتنائی سے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیں۔

ہو سکتا ہے کہ یہی سطحی اور ناپائیدار جوش' پائیدار اور مستقل جوش کا

سبب بن جائے۔ ہو سکتا ہے کہ انھیں بے ثبات شعلوں سے ہمیشہ بھڑکتے رہنے والے شعلے تیار ہو جائیں۔

حسین علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ کوفیوں کے خطوط کا جواب دیں گے اور اس کے علاوہ اپنا ایک نمائندہ بھی ان کے پاس روانہ کریں گے۔

اس فیصلہ کے بعد حسین علیہ السلام اپنے چچازاد بھائی مسلمؑ ابن عقیل کو بلاتے ہیں اور ان کو یہ ذمہ داری سونپتے ہیں کہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں کے حالات کا تجزیہ کریں اور پھر اپنے مشاہدات اور وہاں کے لوگوں کی سچائی اور محبت کے معیار کو لکھ کر ارسال کر دیں۔

مسلمؑ کوفہ میں

۶۰ھ، پندرہ رمضان کی صبح کو مسلمؑ حسین ابن علیؑ کا خط لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

اس خط میں کچھ اس طرح لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ لوگوں کا آخری خط مجھے ہانی اور سعید کے وسیلہ سے ملا۔

آپ لوگوں نے خط بھی بہت لکھے اور قاصد بھی بہت بھیجے۔ ان تمام کا حاصل یہ تھا کہ:

ہم امام سے محروم ہیں۔ ہمارا کوئی پیشوا نہیں ہے۔ اس لئے آپ ہمارے پاس آ جائیں تاکہ آپ کے وجود کی برکت سے خدا ہمیں ہدایت دے اور راہِ حق پر گامزن کرے۔ابھی فی الحال یہ "مسلم" ہے جسے میں آپ لوگوں کے پاس بھیج رہا ہوں۔

میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے اور ہمارے خاندان میں قابلِ اعتماد اور قابلِ اطمینان ہے۔

میں منتظر ہوں کہ اس کی طرف سے مجھے رپورٹ ملے تاکہ میں حالات سے بخوبی واقف ہوجاؤں۔

اگر اس نے آپ کی باتوں کی تائید کی اور اگر اس کو آپ کے اتحاد پر اطمینان پیدا ہوگیا تو میں بھی انشاء اللہ آپ کی طرف آجاؤں گا۔

یہاں پر حسین ابن علیؑ نے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور انقلاب کی اصل وجہ اور اپنا بنیادی مقصد بھی انہیں بتادیں۔

انہوں نے چاہا کہ کوئی جان جائیں کہ ان کی کاروائی صرف اور صرف حق اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے ہے۔

وہ اس لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تاکہ یزید جیسے ظالم حکمران کا خاتمہ کر دیں اور اس کے ظلم و ستم کے محل کو ڈھادیں۔

کوفہ کے لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ انقلاب کا اصل مقصد ظلم کو ختم کرنا اور اس کی جگہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔

جن لوگوں کے سر میں کوئی اور سودا ہے اور جن کا مقصد کچھ اور ہے وہ خواہ مخواہ خود کو زحمت نہ دیں، بے سود کوشش نہ کریں، انہیں اپنا مقصد حاصل نہ ہوگا۔

حسین علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ابتداء ہی میں اپنی فکر کو واضح کردیں تاکہ جو لوگ اقتدار، جاہ و مقام اور عوام کے حقوق پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انقلاب کی صفوں میں شامل ہو رہے ہیں وہ جلد ہی حسین علیہ السلام کا مقدّس ہدف پہچان

لیں اور اپنا راستہ ناپیں۔

حسین علیہ السلام اس خط میں حاکم اور امام کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔ حاکم اور امام میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام کا منظور یزید کی ظالم حکومت ہے۔ وہ اشاروں ہی اشاروں میں یزید کی غیر مذہبی حکومت کی مذمت کر رہے ہیں اور اس کے اسلام کے ساتھ رویہ پر تنقید کر رہے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

"حق تو یہ ہے کہ امام اور پیشوا کتابِ خدا میں بتائے گئے قوانین کے مطابق عوام پر حکومت کرے اور عدل و انصاف کو بنیاد بناتے ہوئے عمل کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ شرعی اور دینی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ لوگوں کو دینِ حق سے آشنا کرے اور معاشرہ کی حق کی طرف رہنمائی کرے۔"

وہ اس خط میں پیشوا کی شرائط انتہائی صراحت سے بیان کرتے ہیں۔ اب یہ کوفیوں کا فرض ہے کہ وہ حسین علیہ السلام کے اصل مقصد کو سمجھیں اور ان کی انقلابی فکر سے آشنا ہو جائیں۔

حسین علیہ السلام نے یہ خط مسلم کے حوالے کیا اور فرمایا:

"ہر چیز سے پہلے میں تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے کام کو دشمنوں سے مخفی رکھو۔ سوچ سمجھ کر کام کرو اور لوگوں سے مہربانی اور اخلاق سے پیش آؤ۔"

"کوفہ کے حالات کا گہرا مطالعہ کرو اور بہت جلد اپنے کام کی رپورٹ مجھے بھیجو۔"

مسلمؑ حسین ابن علی علیہ السلام کے نمائندہ کی حیثیت سے مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلے مدینہ گئے تاکہ اپنے رشتہ داروں سے مل لیں۔

انھوں نے ایسے راستے پر قدم رکھا تھا جو معلوم نہیں تھا کہ کہاں ختم ہو۔ وہ کوفہ کی طرف کیا جا رہے تھے بلکہ خون اور آگ کی طرف قدم بڑھا رہے تھے وہ جا رہے تھے تاکہ ایک حکومت کے ارکان کو متزلزل کر دیں اور ایک ظالم طاقت کو ختم کر کے رکھ دیں ظاہر ہے کہ دشمن بھی ان کے سامنے چپ نہیں بیٹھا رہے گا۔ بلکہ وہ اپنی پوری طاقت سے میدان میں کود پڑے گا۔

اس جنگ کا نتیجہ کیا ہو گا۔ بس خدا ہی جانتا ہے۔

حقیقت میں مسلم نے اس ذمہ داری کو قبول کر کے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی۔ ان کے لئے واضح نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ کیا وہ واپس زندہ لوٹ سکیں گے۔ اور اپنے عزیزوں سے پھر مل سکیں گے؟

پس بہتر ہے کہ کوفہ کی طرف سفر سے پہلے مدینہ چلے جائیں اور اپنے عزیزوں سے ملاقات کر لیں۔

مسلم مدینہ گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبرِ مطہر کی زیارت کی' اپنی قوم اور اپنے خاندان والوں سے ملے۔ پھر ان کو الوداع کہا اور دو گائیڈوں کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور کوفہ روانہ ہو گئے۔

قافلہ چلنے لگا مسلم نے کوفہ جلد پہنچنے کے لئے اصل راستے کو چھوڑ دیا اور شارٹ کٹ اختیار کیا۔

وہ رفتہ رفتہ مدینہ سے دور ہونے لگے۔ شہر کی علامتیں افق کے ساحل سے

غائب ہو گئی تھیں۔ ریگزار کا ایک سمندر انھیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ سورج بے رحمی سے اپنے گرم کئے ہوئے تیر ان کی طرف پھینک رہا تھا۔

وہ لوگ ہر لحظہ اپنی رفتار میں اضافہ کرتے رہے تاکہ جلد از جلد منزل پر پہنچ جائیں تو کچھ آرام کا موقعہ ملے۔

سورج آسمان کے بیچوں بیچ پہنچ گیا تھا اور اس کے ہیبت ناک پرتو میں بیابان لوہار کی بھٹی کی طرح جل رہا تھا۔

پیاس بہت شدت سے لگ رہی تھی۔ ان کا پانی رفتہ رفتہ ختم ہو رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس بات سے خوش تھے کہ جلد ہی منزل تک پہنچ جائیں گے اور اپنی طاقت کو بحال کر لیں گے۔

عرب کے بیابانوں میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں راہ سے بھٹک نہ جائیں۔ مسلم اس خطرے سے بخوبی آگاہ تھے اسی لئے انھوں نے دو گائیڈ اپنے ساتھ لے لئے تھے' ان کو ان دونوں پر پورا بھروسہ تھا۔

گائیڈ جسے عرب لوگ "دلیل" کہتے ہیں وہ ہرگز راہ سے نہیں بھٹکتا وہ بیابانوں کے نشیب و فراز سے' ریت سے اٹے ہوئے پہاڑوں سے' غرض حجاز کے بظاہر ایک ہی جیسے نظر آنے والے بیابانوں کی تمام خصوصیات سے آشنا ہوتا ہے۔ وہ ذہن نشین کی ہوئی علامتوں اور نشانیوں کی مدد سے ریت کا سمندر عبور کرتا ہے اور مسافر کو منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

لیکن یہاں یہ مشکل تھی کہ یہ مسافر عام راستے سے نہیں آ رہے تھے انہوں نے شارٹ کٹ اختیار کیا تھا۔ راستے کی کوئی علامت موجود نہیں تھی۔

انہوں نے ایسا اس لئے کیا تھا تاکہ زیادہ جلدی منزل تک پہنچ جائیں اور یہی ان کا اشتباہ تھا۔ ناگہاں خطرہ ان کے سروں پر ایک ہولناک جن کی طرح آگیا۔

یہ چھوٹا سا قافلہ راہ سے بھٹک گیا تھا۔

چہرے فق ہو گئے تھے اور جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ موت کو اپنے سے نزدیک محسوس کر رہے تھے۔ پانی ختم ہو گیا تھا پیاس کی شدت بہت بڑھ گئی تھی۔ سورج آگ پھینک رہا تھا۔ بیابان نے اپنا بڑا سا منہ کھول رکھا تھا تاکہ ان کو نگل لے دور سے اپنی جھوٹی پانی کی موجیں دکھلا کر آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے سراب ان کا مذاق اڑا رہے تھے اور اس طرح مسافروں کے لئے پیاس برداشت کرنا مزید دشوار اور دردناک بنا رہے تھے۔

گائیڈوں کی راستہ معلوم کرنے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔

وہ جا رہے تھے لیکن نہیں جانتے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں، وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ منزل سے نزدیک ہو رہے ہیں یا دور ہوتے جا رہے ہیں، نہ کوئی علامت تھی نہ کوئی نشانی۔

مسلم ایک طاقتور اور توانا جوان تھے۔ ان میں برداشت کی قوت زیادہ تھی۔ وہ پیاس، تھکن اور دھوپ کی تمازت کو زیادہ برداشت کر سکتے تھے لیکن گائیڈوں میں برداشت کی اتنی زیادہ صلاحیت نہ تھی۔ وہ رفتہ رفتہ نڈھال ہو رہے تھے۔ موت ان سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی۔ صحرا نے اپنے گرم پنجوں میں انہیں جکڑ رکھا تھا۔ صحرا ان کی قربانی مانگ رہا تھا۔

وہ تکالیف برداشت کر رہے تھے لیکن آخر کار صحرا کو فتح ہو جاتی ہے اور وہ ان دونوں کی جان لے لیتا ہے۔

صحرا کی قربانیوں میں دو آدمیوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ مسلم بغیر گائیڈ اور رہنما کے باقی رہ گئے۔

آخر کار بڑی مشکلوں سے وہ ان دونوں گائیڈوں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہوئے ایک بستی میں پہنچ ہی گئے۔

وہاں سے انہوں نے ایک خط حسین علیہ السلام کو لکھا۔ اپنے کام کی عظیم مشکلات اور راستے کی سختیوں کا ذکر کیا اور آخر میں حسین علیہ السلام سے چاہا کہ وہ ان کا استعفا منظور کر لیں۔

لیکن حسین ابن علی علیہ السلام نے ان کا استعفا منظور نہیں کیا اور اس کے جواب میں جو خط لکھا اس میں تاکید کی کہ جلد از جلد کوفہ پہنچ جائیں۔

مسلم نے حکم کی تعمیل میں دوبارہ سامانِ سفر باندھا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماہِ رمضان کی پندرہ تاریخ کو وہ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تھے بیس دن پورے راستے میں کٹ گئے۔ یہاں تک کہ پانچ شوال کو آدھی رات کے قریب مسلم کوفہ میں وارد ہوئے۔

مسلم نے کوفہ میں کس جگہ قیام کیا ہمیں نہیں معلوم۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر وارد ہوئے۔ دیگر بعض لوگ مسلم ابن عوسجہ کا نام لیتے ہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھا انقلابیوں کے اڈے پر یعنی سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر گئے۔

مسلم کے کوفہ پہنچنے پر شہر میں ایک شور سا مچ گیا۔ ابھی سورج پوری طرح نکلا بھی نہ تھا کہ لوگ، حسین علیہ السلام کے نمائندہ کی کوفہ آمد کی خبر سے مطلع

ہو گئے اور ان کی قیام گاہ پر ہجوم کی شکل میں جمع ہو گئے۔

کوفہ پر ایک نیا رنگ غالب آ گیا۔ لوگوں کے ہیجان اور ولولہ میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہی ہوتا گیا۔

انقلابی نعرے اب تک اتنے شدید نہیں ہوئے تھے مگر اب یہی نعرے بجلی کی کڑک جیسی آواز اور فریادوں میں تبدیل ہو کر کوفہ کے در و دیوار کو لرزہ براندام کر رہے تھے۔

انقلابی افراد مسلم کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے تاکہ ان کی نمائندہ حسین علیہ السلام کی حیثیت سے بیعت کریں۔

اٹھارہ ہزار افراد نے مسلم کی بیعت کی، تواریخ میں اسی ہزار بھی لکھا گیا ہے مسلم اتنی سرگرمی اور اتنے ولولہ کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

لوگوں کے ایک سیلاب کو دیکھ رہے تھے ایسے لوگوں کو جو آنسو بہا رہے تھے۔ انتہائی شوق کے عالم میں جوشیلے ہو رہے تھے۔ مسلم ان کے ایسے احساسات اور جوش اور ولولے سے بہت متاثر ہوئے۔

وہ ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور حسین علیہ السلام کا خط انہیں پڑھ کر سنایا۔ اس خط میں خدا کی حمد اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام کے بعد خطرے کے لمحات کا ذکر تھا۔ گذشتہ حالات و واقعات اور ان کے برے اثرات کی طرف اشارہ تھا اور آخر میں لوگوں سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ اس حساس اور نازک لمحے میں اسلام کو مت چھوڑیں جو کہ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ بلکہ اپنا خون دے کر اسلام کا دفاع کریں، حق و عدالت کی مدد کریں اور اسلامی معاشرہ کو ظلم کے پنجہ سے آزاد کرا لیں۔

حسین علیہ السلام کے خط کا شدید ردِّ عمل ہوا۔ سب نے اپنے بھرپور جذبات کا اظہار کیا۔ خط میں لکھی گئی باتوں کی اپنے زوردار نعروں کے ذریعے تائید کی۔

عابس کھڑے ہوئے اور کہا:

"مسلم! میں نہیں جانتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں اور کس انداز سے سوچ رہے ہیں۔

البتہ میں۔

"میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہوں۔ یہ میری آپ سے بیعت کوئی سادہ سی نہیں ہے میں آپ سے بیعت کر رہا ہوں اور عہد کر رہا ہوں کہ آپ کی بتائی ہوئی راہ میں اور آپ کے عظیم مقصد کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا اور خاک و خون میں غلطاں ہو جاؤں گا۔"

"اے مسلم! اے نمائندۂ حسین علیہ السلام! آپ جب بھی مجھے بلائیں گے میں آ جاؤں گا۔ آپ جو بھی حکم دیں گے میں اسے دل و جان سے انجام دوں گا۔"

"حق کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"میں اس بیعت اور اس عہد کے بدلے میں آپ سے کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ اس کا صلہ میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ بیٹھ گئے۔

پھر کوئی اور کھڑا ہوا۔

وہ حبیب تھے،

حبیب ابنِ مظاہر۔

وہی بزرگ کہ جن کا دل روشن اور حق کے عشق میں سرشار تھا۔
انھوں نے کہنا شروع کیا:
"اے عابس۔۔۔ اے ابی شبیب کے بیٹے!"
"خدا تجھے صلہ دے۔ تو نے اپنا عقیدہ بتایا۔ میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔"
خداوندِ عالم کی قسم کہ میری فکر بھی تیری طرح ہے۔ میں دین کے دشمنوں کے خون کا شدید پیاسا ہوں۔
"میں بھی تیری طرح عہد کرتا ہوں اور حسین علیہ السلام کی بیعت قبول کرتا ہوں۔ میں یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جان دے دوں گا اور خاک و خون میں غلطاں ہو جاؤں گا۔"
وہ بھی بیٹھ گئے۔
بلا فاصلہ ایک اور آواز اٹھی۔
تیسری آواز نے بھی انہیں باتوں کو دہرایا۔اس نے بھی فداکاری اور جانبازی کی بات کی۔ اس نے بھی عہد کیا کہ اس کا فرض بھی جب تک جان میں جان ہے اس وقت تک حسینؑ کی مدد کرنے کی کوشش کرنا ہے۔
پھر لوگوں میں ہمہمہ کی آواز اور بھنبھناہٹ سی پیدا ہو گئی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ اتنے سارے لوگ باری باری ایک ایک کرکے انھیں اپنے عشق اور اپنی فداکاری سے مسلم کو آگاہ کریں۔
یا یہ کہ ہیجان اور جوش کی شدت سے ان سے صبر نہیں کیا جا رہا تھا۔
سب کھڑے ہو گئے تھے اور سب نے ایک ساتھ اپنی اپنی تقریر شروع کر دی۔ اپنے بھڑکتے ہوئے احساسات کے بارے میں؛ بیعت کے سلسلے میں اپنے

عہد کی بابت' اپنے عشق وہیجان سے متعلق اپنی جانبازی اور فداکاری کی باتیں غرض یہ سب باتیں وہ سب ایک ساتھ مسلم کو سنا رہے تھے۔

مسلم اس تمام ماجرے میں خاموش بیٹھے رہے۔

خاموش تھے اور سوچ رہے تھے۔

سوچ رہے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنی محبت 'اتنا عشق' اتنا شور اور اتنا احساس۔ یہ سب کچھ بغیر کسی ٹھوس بنیاد کے ہو؟

یہ ان لوگوں کے دل کا خون ہے جو کہ آنسوؤں کی شکل میں ان کی آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔ ظلم و ستم کی اموی حکومت سے نفرت اور بیزاری کان پھاڑ دینے والی فریادوں کی صورت میں ان کے سینوں سے نکل رہی ہے جس نے ہر جگہ لرزہ طاری کر دیا ہے۔

وہ لوگ کتنا بڑا اشتباہ کر رہے تھے جو حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے سے منع کر رہے تھے!!

محمد حنفیہ اور ابنِ عباس کہاں ہیں۔ آئیں اور اس شور کو سنیں' اس جوش کو دیکھیں۔ عشق اور فداکاری کے ان احساسات سے لطف اندوز ہوں۔ یہ ایک عظیم طاقت ہے۔ اسے جلد از جلد استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے ذریعے ظلم وستم کو تہس نہس کر دینا چاہیے۔

وہ لوگ کتنا بڑا اشتباہ کر رہے تھے جو چاہ رہے تھے کہ اس عظیم طاقت کو نظرانداز کر دیا جائے اور اتنی ڈھیر ساری محبت کو رائیگاں جانے دیا جائے۔

نہیں'

حسین علیہ السلام کو حتی الامکان تیز رفتاری کے ساتھ کوفہ کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔

مسلم جو کہ خود ایک سچے اور پاک دل جوان تھے۔

ان کو یہ خیال تک نہ آیا کہ یہ شور و ہیجان جلد ختم ہو جانے والے بلبلے کی مانند ہے۔ یہ اچانک ختم ہو جائے گا اور انہیں اور حسین علیہ السلام کو یکہ و تنہا چھوڑ دے گا۔

مسلم اتنے شور اور اتنے ولولہ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے قلم ہاتھ میں لیا اور کچھ اس مضمون کا خط حسین علیہ السلام کے نام لکھا:

"ابھی میرے اختیار میں یہاں بیس ہزار مسلح فوجی موجود ہیں۔ ان سب نے مجھ سے بیعت کی ہے۔ ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ان کی تعداد ستّر یا اسّی ہزار تک پہنچ جائے۔ بہت جلد کوفہ کی طرف حرکت فرمایئے کیونکہ آپ کے شیعہ اور آپ کے چاہنے والے آپ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔"

خط کو ایک قاصد کے ذریعے حسین علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا اور خود لوگوں سے بیعت لینے میں مشغول ہو گئے۔

یہاں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اتنے شور و غوغا کے مقابلہ میں حکومت کا ردِّ عمل کیا تھا۔

خطرے کا لمحہ

مسلم کے کوفہ آنے سے یہ شہر عملی طور پر بنی امیّہ کی حکومت سے خارج

ہو گیا تھا۔ نعمان ابن بشیر اس وقت کوفہ کا والی تھا لیکن ضعیف اور بوڑھا تھا۔ اس سے کوئی کام ہونا مشکل تھا۔

جب انقلاب اور شورش کے آثار شہر میں ظاہر ہو گئے اور جب خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں تو آلِ سفیان کے طرف دار لوگ والیٔ کوفہ کے پاس گئے خطرہ کے لمحے سے اسے آگاہ کیا۔ اس سے چاہا کہ شورش کو ختم کرنے کے لئے اور انقلاب سے بچاؤ کے لئے سنجیدگی سے سخت اقدامات کرے۔

اس سے کہا کہ مسلم نمائندۂ حسین علیہ السلام کوفہ میں وارد ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ان کا بے مثال استقبال کیا ہے۔

روزانہ ان کے گھر پر بہت سارے لوگ جاتے ہیں۔ مرکزی حکومت کے خلاف اور انقلاب پر آمادہ کرنے کے لئے مسلم گرما گرم تقریریں کرتے ہیں اور لوگ انہیں سنتے ہیں۔ شہر کی حالت نازک ہے ہر جگہ حسین ابن علی علیہ السلام کے پیغام کا چرچا ہے۔ ہر جگہ انقلاب اور شورش کی باتیں ہیں۔

لوگوں نے والیٔ کوفہ سے کہا کہ اگر وہ ردِّ عمل کے طور پر سخت کاروائی نہیں کرے گا اور ابھی سے چارہ جوئی کی کوشش نہیں کرے گا تو بلاشک وشبہ وہ آئندہ مخالفوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل نہیں سکے گا اور کوفہ کو یقینی سقوط سے نجات نہیں دلا سکے گا۔

اگرچہ کہ ان باتوں سے والیٔ کوفہ پر واضح ہو گیا تھا کہ یہ خطرے کا وقت ہے پھر بھی وہ اپنے بڑھاپے اور اپنی بے حالی پر غالب نہ آ سکا اور کوئی سخت اقدام نہ کر سکا۔

اس کا ردِّ عمل صرف یہ تھا کہ اس نے شہر کی بڑی مسجد میں لوگوں کے

سامنے تقریر کی۔ مگر اس کی تقریر سے بھی اس کی کمزوری اور اس کی سستی صاف جھلک رہی تھی۔

جب بنی امیہ کے طرف دار والیٔ کوفہ سے مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ شہر پر قابو پانے اور انقلاب کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ مرکزی حکومت کی جانب رجوع ہوئے اور خود یزید کو کوفہ کے ناگوار حالات سے تفصیلی طور پر آگاہ کیا اور اس سے چاہا کہ ایک سخت اور موثر اقدام کے ذریعہ انقلاب کو مزید بڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دے اور بھڑکے ہوئے لوگوں کی نافرمانی اور بغاوت کو کچل دے۔

اصولی طور پر یزید اپنی خلافت کے آغاز سے ہی حسین علیہ السلام کے بارے میں فکر مند تھا۔

جب بھی اس کی شبانہ محفلِ عیش و طرب ختم ہوتی تھی۔ جب بھی اس کے بندر اور کتے نیز اس کی رقاصائیں اور معشوقائیں اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاتے تھے اور اسے تنہا چھوڑ دیتے تھے تو وہ سوچنے لگتا تھا۔

وہ سوچا کرتا تھا کہ یہ سب عیش و نوش "خلافت" کی برکت سے اسے نصیب ہے اور حسین ابن علی علیہ السلام اس کی بیعت نہ کر کے اس کی خلافت اور حکومت پر سب سے کاری ضرب لگا رہے ہیں اور اس طرح نتیجہ میں اس کے عیش و نوش کے لئے رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں اور اسے اتنی تمام مستی اور لذت سے روک رہے ہیں۔

پس جس طرح بھی ہو حسین علیہ السلام کو دبا دینا چاہئے اور مخالفت کی اس آواز کو ابتداء ہی میں بند کر دینا چاہیے۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کام کرے کون!

جب یزید کو یہ اطلاع ملی کہ حسینؑ نے بیعت نہیں کی ہے اور مکہ اور اس کے بعد عراق کی طرف روانہ ہوئے ہیں تو سخت فکر اور انتہائی کوشش میں لگ گیا۔

اس نے سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ حسین علیہ السلام جو یہ مخالفت کر رہے ہیں، اس مخالفت کا دریا ابھی تو پرسکون طور پر بہہ رہا ہے لیکن بعد میں یہی سیلاب کی شکل اختیار کرے گا۔ پس ابھی سے ہی اس دریا پر بند باندھ دینا چاہیئے۔ تاکہ آئندہ کی پرجوش موجوں سے خود کو محفوظ رکھا جا سکے۔

اس کام کے لئے اس نے ذہن میں ایسے آدمی کو تلاش کرنا شروع کیا جو اس اہم کام کو پورا کر سکے۔

لیکن اسے کچھ سجھائی نہ دیا۔ اس کو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو اس کے لئے قابلِ قبول ہو۔

چند روز اسی تردد و فکر میں گزر گئے یہاں تک کہ بنی امیّہ کے ایک طرف دار عبداللہ ابن مسلم ابن ربیعہ کا خط اسے ملا۔

عبداللہ نے اس خط میں کوفہ کی خطرناک اور آشفتہ حالت کا ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ کوفہ ایک حتمی انقلاب کے دہانے پر کھڑا ہے۔ سب کے لب پر حسین علیہ السلام ہے۔ سب نے انھیں خلافت کے لئے نامزد کیا ہے۔ اس خط کے بعد بہت سے خط اور پہنچے۔ ان تمام خطوط میں یزید کے طرف داروں نے کوفہ کی مشتعل اور ہیجان زدہ حالت کا تذکرہ کیا تھا اور یہ اضافہ کیا تھا کہ اگر کوفہ کی ضرورت ہے تو نعمان ابن بشیر کو جو کہ بہت بوڑھا اور ناتوان ہے

معزول کر دیا جائے' اور اس کی جگہ ایک طاقتور' سخت اور فعال آدمی والی بنایا جائے۔

ان خطوط نے یزید پر اثر کیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد اس قسم کے آدمی کا انتخاب کرے اور اس کو کوفہ بھیج دے۔

ناگہاں اس کو "سرجون" یاد آیا۔

ابن زیاد کو کوفہ بھیج دیا

یزید نے فیصلہ کیا کہ مطلوبہ شخص کے انتخاب کے لئے' ایسے شخص کے انتخاب کے لئے جو کہ مشتعل کوفہ کو خاموش کر سکے اور جو کہ حسین ابن علی علیہ السلام کے قیام کو ناکام بنا سکے۔ "سرجون" کی فکر سے استفادہ کرے جو کہ اس کے باپ کا خاص مشاور تھا۔

"سرجون" مسلمان نہیں تھا لیکن معاویہ جو کہ خود کو خلیفۃ المسلمین کہتا تھا اسے اسلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ بس عوام پر حکومت کرنا چاہتا تھا اور نازو نعم سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہوتے رہنا چاہتا تھا اگرچہ کہ اس طرح اسلام اور مسلمانوں کی حیثیت کو خطرہ ہی کیوں نہ پہنچتا ہو۔ اس کی منطق اور اس کا ہدف یہ تھا کہ بس عوام پر مسلط رہے اور حکومت کے نشے میں چور رہے۔ اس ہدف تک پہنچنے کے لئے وہ ہر وسیلہ کو استعمال کرتا تھا لاشوں سے پل بناتا تھا اور اس پل کو اپنی ترقی کا راستہ سمجھتا تھا۔ "حجر ابن عدی" جیسے پاک اور بافضیلت حضرات کا خون بہاتا تھا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کبھی یہ اس کے خلاف کاروائی کر بیٹھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اس بات سے بالکل نہیں جھجکے گا کہ ایک غیر مسلم شخص کو اپنا خصوصی مشاور قرار دے اور اسے عوام پر مسلط کر

دے۔

"سرجون" سالہا سال معاویہ کے دربارِ خلافت میں ایک خاص حیثیت اور اعلیٰ مقام کا حامل رہا۔ وہ اسلامی معاشرہ کے سیاسی مسائل سے بخوبی آگاہی رکھتا تھا۔ خاص خاص شخصیتوں کو بخوبی پہچانتا تھا۔ جب بھی معاویہ کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ سرجون کے مشوروں سے اسے حل کرلیتا تھا

اس وقت یزید خود کو ایک عظیم مشکل میں پھنسا ہوا دیکھ رہا ہے' درست ہے کہ اس کی مخالفت صرف حسین علیہ السلام نہیں کر رہے ہیں بلکہ عبداللہ ابن زبیر' عبداللہ ابن عمراور عبدالرحمٰن ابن ابوبکر جیسی شخصیتوں نے بھی اس کی بیعت نہیں کی ہے اور اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن حسین علیہ السلام کا معاملہ ان سب سے جدا ہے۔

وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ملتِ مسلمہ کے لئے انتہائی محبوب اور انتہائی مقبول شخصیت کے مالک ہیں۔ مسلمان ان کو جان و دل سے چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ حسین علیہ السلام کی روح دوسروں کی روح سے جدا ہے۔ ان کی ہر بات ایمان اور عقیدہ کی اساس پر مبنی ہے وہ ایک سخت اور نہ جھکنے والی شخصیت کے مالک ہیں جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو بغیر کسی جھجک اور تزلزل کے پختہ عزم کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی بڑی سے بڑی طاقت ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔

اور مشکل یہ ہے کہ نہ تو انہیں عہدے اور پیسے سے فریب دیا جا سکتا ہے نہ ہی متزلزل کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے مضبوط مزاج اور ان کی پختہ

روح پر دھمکیوں کا کوئی اثر ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حسین علیہ السلام سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ یقیناً ہمیں ان سے جنگ کرنا ہی پڑے گی۔

انھوں نے ابھی کوفہ کی طرف حرکت کی ہے۔ ایسے لوگوں کی طرف کہ جو بارود کا ڈھیر ہیں۔ ایک چنگاری انہیں دھماکہ کی طرح اڑانے کے لئے کافی ہے اور اس طرح ایک بہت بڑا انقلاب بپا ہو سکتا ہے۔

اس انقلاب کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس انقلاب کو کون سی طاقت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک سکے گی؟ ہمیں کون ان خطروں سے بچائے گا؟

اس سلسلہ میں "سرجون" سے مشورہ لینا چاہیے۔ یزید نے "سرجون" کو بلا بھیجا اور اس کو تمام قصہ سنایا۔ کوفہ کے حالات سے مطلع کیا۔ یہ بھی بتایا کہ حسینؑ کا رخ اسی کوفہ کی طرف ہے اور مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ہمارے کوفہ کے والی "نعمان ابن بشیر" سے کچھ نہیں ہو پا رہا۔ اس لحاظ سے مجھے چاہئے کہ اس کی جگہ کسی اور کو منصوب کروں لیکن ایک ایسے شخص کا انتخاب کہ جو حسین علیہ اسلام کو کامیاب نہ ہونے دے، میرے لئے بہت مشکل ہو گیا ہے۔

کیا تو کسی ایسے شخص کو جانتا ہے جو اتنی اہم ذمہ داری کو انجام دے سکے؟

"سرجون" سوچنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد، جبکہ یہ چند لمحے بھی یزید کو بہت طولانی معلوم ہوئے، اس نے سر اٹھایا اور کہا: ہاں

"ابن زیاد"۔

صرف وہی ایسا شخص ہے جسے یہ کام سپرد کیا جا سکتا ہے۔ ایک بے باک اور جسارت رکھنے والا مرد ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بہت شدت

اور تندی سے عمل کرتا ہے۔

لوگوں کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

وہ ابھی آپ کا بصرہ میں والی ہے اس کی ہمت افزائی کے لئے اسے کوفہ کا بھی والی بنادیجئے۔

اور مطمئن رہیے کہ ابن زیاد مشتعل کوفہ کو خاموش کردے گا اور آپ کی مشکل حل کردے گا۔

یزید نے "سرجون" کے مشورے سے موافقت کی اور کہا: جلد از جلد کوفہ کی حکومت "ابن زیاد" کے نام لکھ دے۔

لیکن:

"سرجون" نے کہا کہ یہ پہلے ہی لکھا جاچکا ہے صرف دستخط کرنا باقی ہے۔ یزید کو اس بات پر تعجب ہوا "سرجون" نے اس کی وضاحت کی اور اس کا تعجب ختم کردیا۔

اس نے کہا:

آپ کے والد معاویہ کو عمر کے آخری حصے میں یہ فکر لگ گئی تھی کہ کوفہ کا امیر اور والی "عبید اللہ ابن زیاد" کو بنا دیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے اس فرمان کو جاری کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا لیکن موت نے انہیں مہلت نہ دی اور وہ اس فرمان پر دستخط کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے چلے گئے۔

فرمان

آخر کار یزید نے "سرجون" کا مشورہ قبول کرکے عبید اللہ ابن زیاد کے نام کوفہ کی حکومت کردی۔ فرمان پر دستخط کردیئے اور اس کو ایک تیز رو قاصد کے

ہاتھوں ابن زیاد کی طرف ارسال کردیا۔

تواریخ میں یوں لکھا ہے کہ اس فرمان کو بھیجنے کے بعد یزید نے دو مزید خط لکھے۔ ایک ابن زیاد کو اور ایک مکہ میں عبداللہ ابن عباس کو۔

ہم کتاب "دلیرانِ کربلا" سے یہ دو خط اس کے صفحہ نمبر ۱۳۶ اور ۱۳۷ سے من و عن نقل کر رہے ہیں:

ابن زیاد کو ارسال کردہ خط کا متن یوں تھا:

"یہ ایک خط ہے یزید ابن معاویہ کی طرف سے عبیداللہ ابن زیاد کے نام۔ مجھے خبر ملی ہے کہ کوفہ کے لوگ حسینؑ سے بیعت کے سلسلے میں متحد ہو گئے ہیں۔ میرے پاس ابن زیاد سے بہتر اور کوئی تیر نہیں ہے جس سے میں دشمن کو دفع کر سکوں۔ مجھے تجھ سے توقع ہے کہ تو جیسے ہی اس خط کو پڑھے تو وقت ضائع کئے بغیر اپنی پوری طاقت کو استعمال میں لے آ اور جلد ہی ایسا کام کر کہ علی ابن ابی طالبؑ کے بیٹے کا ایک بھی طرفدار اور چاہنے والا زندہ نہ بچے۔"

ابن عباس کو ارسال کردہ خط یوں تھا:

"اے ابن عباس تیرے چچا کے بیٹے حسینؑ اور دشمن خدا عبداللہ ابنِ زبیر نے مجھ سے بیعت کو اپنے لئے ذلت کا سبب سمجھا ہے اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں اور فتنہ اور آشوب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت کے گرداب میں پھنس رہے ہیں۔ ابنِ زبیر تلوار کے ذریعہ جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے گا لیکن حسینؑ تو تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ اس کا گلہ میں تجھ سے کر رہا ہوں مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ عراق کے بعض لوگوں نے اس کو خط لکھا ہے اور اس کو خلافت کے لئے ورغلایا ہے۔

حسینؑ نے بھی ان کو بشارت دی ہے کہ وہ حاکم بن جائے گا۔ تو جانتا ہے کہ ہمارے درمیان رشتہ داری ہے لیکن حسینؑ نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہے۔

"اے ابن عباس تو آج اپنے قبیلہ کا سردار ہے اور سب کی نظروں میں محترم ہے جلد از جلد حسینؑ کو اس کے کاموں سے روک لے۔ اگر اس نے فتنہ ترک کرنے کی بات کی تو پھر وہ امان میں ہو گا۔ میرے خط کا جواب دے اور اپنی ضروریات اور اپنے حوائج مجھے لکھ تاکہ میں انھیں اور تیری مرضی کو پورا کروں۔"

یزید اس خط میں حسین علیہ السلام کے مقدّس قیام اور کام کو "فتنہ" سے تعبیر کر رہا ہے۔ وہ حق و عدالت کی حمایت کو فتنہ قرار دے رہا ہے لیکن اپنے ظلم و ستم اور اپنے انحرافات کو عین عدل و انصاف کے مطابق قرار دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ظلم و ستم کرے' اسلامی قوانین سے انحراف کو پورے اسلامی معاشرے میں مخصوصاً دارالحکومت میں جاری کر دے اور کوئی بھی اس کے ردِّ عمل کے طور پر اسے نہ روکے نہ ٹوکے۔ حتیٰ حسین علیہ السلام بھی جو کہ سب سے زیادہ اسلام اور عدل و انصاف کی روح سے واقف ہیں۔ وہ اس ردِّ عمل کو فتنہ سمجھتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ ردِّ عمل اسلام کا وہی اصل رکن اور ستون ہے جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سے تعبیر کیا ہے۔

وہ اپنے ایک خط میں حسین علیہ السلام کو پیسے کا لالچ دیتا ہے۔ واقعی وہ کس حد تک حقائق سے دور ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وسیع اسلامی معاشرہ پر حکومت کرے لیکن بڑی بڑی اسلامی شخصیتوں کے بارے میں موٹی موٹی باتیں

بھی نہیں جانتا۔ معاویہ جیسا بھی تھا لیکن اس میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ مردم شناس تھا' بڑی بڑی شخصیتوں کے مزاج سے پوری طرح واقف تھا' وہ جانتا تھا کہ حسین علیہ السلام کس قسم کے انسان ہیں' وہ حسین ابن علی علیہ السلام کے عظیم جذبات سے ان کی ثابت قدمی اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی صلاحیت سے باخبر تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بیٹے یزید کو وصیت کی تھی کہ حسین علیہ السلام سے پنجہ آزمائی نہ کرنا اور انہیں اپنی بات ماننے پر مجبور نہ کرنا۔

حسینؑ ایسا سر نہیں ہے جو یزید جیسے شخص کے سامنے جھک جائے لیکن یزید ایسی باتوں سے نابلد تھا۔ وہ بس اپنی ہی فکر سے سوچتا تھا اور اپنے ہی معیار پر لوگوں کو پرکھتا تھا۔ اسی لئے اس کا خیال تھا کہ حسین علیہ السلام کو بھی پیسے اور جاہ ومنصب کا لالچ دے کر چپ کرایا جاسکتا ہے اور اپنی سرگرمیوں سے روکا جاسکتا ہے۔

بہرحال خط بھیجے گئے۔ ایک مکہ کی طرف اور دوسرا کوفہ کی جانب۔ جب عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ کا والی بن جانے کا فرمان ملا تو اس نے بصرہ کی ذمہ داری اپنے بھائی کے سپرد کی اور خود انقلاب کو کچلنے کے لئے کوفہ کی طرف چل پڑا۔

کوفہ کا چہرہ تبدیل ہو جاتا ہے

اس وقت کوفہ میں جو جوش اور ولولہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ سراپا ہیجان اور یکسر انقلاب تھا۔ لوگ حسین ابن علی علیہ السلام کے انتظار میں لمحہ لمحہ گن رہے تھے۔ ایسے موقعہ پر ابن زیاد کا شہر میں وارد ہونا خطرے سے اور شک و شبہہ سے خالی نہ تھا۔ ممکن تھا کہ شہر میں داخل ہوتے ہی لوگ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیں اور انقلاب کی سرکوبی کی آرزو کو اس کے دل ہی میں دفن کردیں

لیکن وہ بھی بہت چالاک آدمی تھا اس نے خطرناک حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے اس نے ایک عجیب پروگرام بنایا۔ اپنا حلیہ بنی ہاشم کے بزرگوں کا سا بنایا۔ اپنا عمامہ اور لباس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامے اور لباس کے انداز میں پہنا۔ حسین ابن علی علیہ السلام کی طرح آدھے نچلے چہرے پر نقاب باندھی۔ بہرحال اپنا حلیہ ایسا بنایا کہ اگر کوئی اسے دیکھے تو یہ خیال کرے کہ بنی ہاشم کے کوئی بزرگ جیسے حسین ابن علی علیہ السلام شہر میں وارد ہوئے ہیں۔۔۔ پھر اس نے شہر میں وارد ہونے کے لئے رات کے وقت کا انتخاب کیا۔ اس طرح چہرے پر لگی ہوئی نقاب کی وجہ سے لوگ یہ نہ سمجھ سکیں گے کہ یہ وارد ہونے والا شخص کون ہے اور وہ اسے فوراً قتل نہیں کریں گے۔ اس وضع قطع کے ساتھ اس نے شہر کوفہ میں قدم رکھا۔

سب خیال کر رہے تھے کہ حسین ابن علی علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ لہٰذا لوگوں نے انتہائی ذوق و شوق اور جوش و خروش کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور دار الامارہ کے محل تک اس کے ساتھ گئے۔

دار الامارہ میں دفاعی تدابیر کا انتظام ہو رہا تھا۔ نعمان ابن بشیر سخت بدحواسی اور خوف کے عالم میں مبتلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسے موقعے پر کیا کرے۔ وہ بھی اوروں کی طرح یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ نووارد حسین ابن علی علیہ السلام کی ذات ہے۔

اس لئے اس نے سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ محل کے دروازوں کو بند کیا جائے اور محافظ دستہ دفاع کے لئے آمادہ رہے۔

ایک طرف تو وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اولادِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

تلوار کھینچے اور جنگ کرے لیکن دوسری طرف اس کا سیاسی مقام اور معاشرہ میں اسکا وقار اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ آرام سے اپنی حکومت حسین ابن علی علیہ السلام جیسے شخص کے حوالے کردے۔

وہ واقعی یہاں پر مبہوت اور پریشان ہو کر رہ گیا تھا اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ ایسے میں اسے خبر دی گئی کہ لوگ دار الامارہ کے محل تک پہنچ گئے ہیں۔

مجبوراً وہ محل کی چھت پر گیا اور چلایا:

آپ پر سلام ہو اے فرزندِ رسولؐ خدا۔

پھر اس نے کہا:

میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ دار الامارہ کا خیال چھوڑ دیں۔ مطمئن رہیے کہ میں یہ محل آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں آپ سے جنگ کرنا بھی نہیں چاہتا"۔

ابن زیاد بہت بگڑا۔ اس نے ایک عجیب اضطراب اور حد سے زیادہ ہیجان کے عالم میں کہا:

"نعمان یہ میں ہوں، ابنِ زیادؑ حکم دیجئے کہ جلد از جلد دروازے کو کھولا جائے"۔

ہاں یہاں پر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ابنِ زیاد نے یہاں ایسا کام کیا تھا جیسے اس سے لاپرواہی ہو گئی ہو حالات ایسے تھے کہ وہ چپ نہیں رہ سکتا تھا اور اس میں بھی مصلحت نہیں تھی کہ وہ بات کرے اور اپنا تعارف کرائے:

وہ حسین ابن علی علیہ السلام کے طرفداروں میں گھرا ہوا تھا۔ بہت قوی

احتمال تھا کہ اگر وہ اسے پہچان لیں تو اسی آدھی رات کے وقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے قتل کردیں۔

ابن زیاد اس دوراہے پر کیا کرے؟ کس راہ کو اختیار کرے؟ دونوں طرف خطرہ ہے۔

چپ رہے یا بولے اور اپنا تعارف کرادے؟

ایسے موقعوں پر ایک سیاسی شخص کو غیر معمولی اور غیر متوقع لاپرواہی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایسا اقدام کرنا پڑتا ہے۔ جس کے کرنے سے ہوسکتا ہے نقصان ہو جائے اور ہوسکتا ہے کہ نقصان سے بچ جائے۔ ممکن ہے کہ وہ نیست ونابود ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کامیابی سے آگے بڑھ جائے۔

جو لوگ ایسے موقعوں پر کسی ایک فیصلہ پر پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ میدانِ سیاست میں بڑی بڑی کامیابیاں حاصل نہیں کرسکتے۔

سیاسی شخصیتوں کو اپنی حادثات سے بھرپور زندگی میں حساس لمحوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے لمحوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے جن میں ان کی قسمت کا فیصلہ زندگی یا موت ہو۔ایسے لمحوں میں سیاسی آدمی کو جرات کے ساتھ اسی طرح کی لاپروائی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ کہ اس لاپروائی سے اسکی جان بھی جاسکتی ہے۔ مگر جس طرح کہ ہم نے کہا' اسی لاپروائی کے نتیجہ میں اس کی جان بچنے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

ابنِ زیاد اس رات ایسے ہی حساس لحات سے دوچار تھا۔ وہ جان کی بازی لگا دینے والا اور جان کی پرواہ نہ کرنے والا بے باک مرد تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہاں یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ کوفہ کے لوگوں کو بھی بخوبی پہچانتا تھا اور ان

کے پر جوش لیکن جلد ختم ہوجانے والے ناپائیدار احساسات سے بھی پوری طرح واقف تھا۔

اس نے اندازہ لگایا تھا کہ کامیابی کا امکان خطرے کے امکان سے زیادہ ہے۔ لہٰذا اس نے خود کو پہنچوا دیا اور نعمان ابن بشیر کو حیرانی اور پریشانی کے عالم سے نکال لیا۔

اس تعارف کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کا جوش و خروش ایک دم سرد ہوگیا سب نے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ نگاہوں کی زبان میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ:"یہ ابن زیاد تھا۔ ہم اسے حسین علیہ السلام سمجھ کر اس طرح اس کا استقبال اور احترام کر رہے تھے۔"

ایک شخص نے پکار کر کہا:

"لوگو! خدا کی قسم یہ مرجانہ کا بیٹا عبید اللہ ابن زیاد ہے۔ فاطمہ علیہا السلام کا بیٹا حسین علیہ السلام نہیں۔"

اس کی اس پکار نے لوگوں میں نفرت کے جذبے کو ابھارا اور لوگوں نے مل کر ابن زیاد کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ کیونکہ ابن زیاد محل میں داخل ہوچکا تھا اور محل کے دروازے پھر بند ہوگئے تھے۔

آدھی رات کو نعمان ابن بشیر نے حکومت کی باگ ڈور ابنِ زیاد کے سپرد کی اور خود ان کاموں سے لاتعلق ہوکر الگ ہوگیا۔

اب ابنِ زیاد ہے اور ایک پر آشوب اور طوفان زدہ شہر۔

اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ پہلے کوفہ کو ٹھنڈا کرے اور پھر حسین ابن علی

علیہ السلام کی طرف توجہ دے۔

ابنِ زیاد قتل کا بازار گرم کرتا ہے

اس نے پہلے ہی دن سے انقلاب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے تین مرحلوں میں اپنا کام شروع کردیا۔

پہلا مرحلہ دھمکی کا تھا اور دوسرا مرحلہ لالچ کا تھا۔ اور تیسرا مرحلہ پروپیگنڈے کا۔

کوفہ میں آنے کے بعد پہلے ہی دن ابن زیاد مسجد میں گیا اور وہاں اس نے لوگوں کے سامنے سخت تقریر کی۔

لوگوں کے مزاج سے واقفیت کی بناء پر اس نے اپنی تقریر اس طرح سخت اور للکارنے کے انداز میں کی کہ:۔

"امیرالمومنین یزید نے کوفہ کی حکومت میرے ذمہ کی ہے اور یہ شہر میرے سپرد کیا ہے۔"

"میری ذمہ داری ہے کہ مظلوموں کی حمایت کروں اور انہیں ظالموں سے نجات دلاؤں اور شیخی بگھارنے والوں کو ان کی اپنی جگہ بٹھادوں۔"

"لیکن جو لوگ میری اطاعت سے منہ موڑیں گے اور مخالفت اور رخنہ اندازی کا راستہ اختیار کریں گے تو یہ میری تلوار اور یہ میرا تازیانہ ہے۔ میری تلوار ان کی گردن اڑا دینے کے لئے تیار ہے اور میرا تازیانہ انہیں میرے سامنے جھکانے کے لئے کافی ہے۔"

لوگو! اپنی جان کی حفاظت کے لئے کوشش کرو۔

اور میرے حکم کو مت ٹالو۔

"یہ بات محض دھمکی نہیں ہے۔ وقت خود بتائے گا کہ میں اس بات پر کتنی سختی سے عمل کرتا ہوں اور کتنی طاقت سے مخالفوں کے سر کچل کر رکھ دیتا ہوں اور ان کو سزا دیتا ہوں۔"

ابن زیاد تقریر ختم کر کے منبر سے نیچے آیا اور اس کے فوراً بعد اس نے اپنی بات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

اس نے تمام قبیلوں کے بزرگوں اور مشہور لوگوں کو بلایا۔ ہر قبیلہ اور ہر علاقے کی ذمہ داری اس قبیلہ یا علاقہ کے کسی ممتاز اور زبردست آدمی کے حوالے کی۔

ان سے چاہا کہ وہ اچھی طرح سے حالات پر نظر رکھیں اور جو بھی مخالفت کرتا ہوا نظر آئے اسے اس کے بارے میں اطلاع دیں۔

آخر میں اس نے یہ بھی کہا کہ جو بھی اس ذمہ داری کو اچھی طرح اور سنجیدگی سے انجام دے گا ہمیشہ کے لئے اس کے باقاعدہ تقرر کے علاوہ اس کو اضافی انعام بھی دیا جائے گا۔

ابن زیاد سے جتنا ہوسکا اس نے دھمکیاں دیں اور لالچ بھی دیا۔ پھر اس نے چاہا کہ پروپیگنڈے کے ذریعہ لوگوں کے جذبات سرد کر دے۔ یا کم از کم اس طرح وہ لوگ جو مخالفت کر رہے ہیں شک اور تردد کا شکار ہو جائیں۔

اس نے سب سے پہلے یہ پروپیگنڈہ کروانا شروع کیا کہ شام کے سپاہی بہت طاقتور اور سازو سامان سے لیس ہیں، بغاوت اور مخالفت کے نتیجہ میں ان سے مقابلہ کرنا بہت مشکل ہوگا۔

ابن زیاد نے کوفہ کے نئے والی کی حیثیت سے لوگوں کی توجہ کو حسین ابن

علی علیہ السلام اور ان کے نمائندے مسلم ابن عقیل کی طرف سے ہٹانے کے لئے اور ان کی عوامی حمایت کو ختم کرنے کے لئے شروع ہی کے پہلے ایک دو روز میں یہ سخت اقدامات کر ڈالے۔

ان اقدامات کے ضمن میں اس نے درہم و دینار کی تھیلیاں شہر کے بزرگوں اور اثر و رسوخ رکھنے والے لوگوں کے گھروں میں بھجوانا شروع کیں تاکہ اس طرح درہم و دینار کے عاشق لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور ان کی طاقت اور ان کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھائے۔

لیکن ان سب کاموں کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ اسے معلوم ہوتا رہے کہ مسلم پردے کے پیچھے آج کل کیا کچھ کر رہے ہیں۔ وہ کون کون لوگ ہیں جو مسلم کے پاس آتے جاتے ہیں اور مخالفوں کے اور انقلاب کے بڑے بڑے حامیوں کے کیا کچھ پروگرام ہیں اور ان کے راز کیا ہیں۔

یہ سب معلوم کرنے کے لئے کسی زبردست اور چالاک جاسوس کی ضرورت تھی۔ ابن زیاد کو "معقل" اس کام کے لئے مناسب معلوم ہوا۔ وہی چالاک اور ہوشیار غلام جو بارہا اپنی چالاکی اور ہوشیاری کے امتحانوں میں کامیاب ہوچکا تھا۔

ابن زیاد نے معقل کو آواز دی اسے تین ہزار درہم دیئے اور کہا:

"تجھے اس شہر میں کوئی نہیں پہچانتا' جا اور خود کو حسین علیہ السلام کا چاہنے والا ظاہر کر اور جس طرح بھی ہو مسلم سے نزدیک ہوجا۔ زیر زمین کارروائیوں کا پتہ لگا اور مجھے اطلاع پہنچاتا رہ۔"

معقل یہ کام انجام دینے کے لئے نکلا۔ اپنے کام کا آغاز اس نے مسجد سے

کیا۔

اس نے ایک پارسا زاہد کا ساحلیہ اختیار کیا۔ تمام وقت مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے گزارنے لگا۔ آخر کار اسی مسجد میں ایک شخص سے جان پہچان کرلی جو بااثر ہونے کے علاوہ پس پردہ ہونے والی انقلابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا تھا۔ اس کے ذریعے وہ مسلم کی خدمت میں آنے جانے لگا۔ اس طرح تمام سرگرمیاں اور راز کی باتیں اسے معلوم ہونے لگیں۔

وہ ایک وحشت ناک مغرب کا سماں تھا۔ سورج اپنے تھکے ہارے اور غبار آلود چہرے کے ساتھ افق کے زنداں میں واپس جارہا تھا خون کے رنگ کی ایک لال پٹی اوپر آرہی تھی۔ یہاں تک کہ شہر کوفہ کے سر پر وہ پٹی نظر آنے لگی۔ یہ وقتِ مغرب کی علامت تھی۔ نماز کا وقت ہوگیا تھا۔

مسلم گھر سے نکلے تاکہ مسجد جائیں اور ہمیشہ کی طرح لوگوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔

مسجد کے دروازے پر پہنچے تو خلافِ توقع ایک عجیب منظر دیکھا' عجیب بات ہے! یہ کیا ہوگیا؟ آخر لوگ کہاں گئے ؟ لوگوں کا وہ اژدھام کیا ہوا؟ کیوں آج کوئی مسجد میں نہیں آیا؟ ایک آدمی بھی تو نہیں ہے!!

مسلم مسجد میں گئے۔ ایک ستون کے پیچھے پناہ لی۔ اور ایک نیم تاریک گوشے میں فرادیٰ ہی نماز ادا کی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد بادلِ ناخواستہ مسجد سے باہر نکلے۔ اب ان کو یہ مسئلہ درپیش ہے کہ جائیں تو کہاں جائیں رات کو صبح تک کہاں گزاریں؟

وہ اب تک مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن اب

ان حالات میں مصلحت نہیں تھی کہ مختار کے گھر جائیں۔

کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ مسلم مختار کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں یہ بات بعید نہیں تھی کہ ابن زیاد جو اب تک اپنے پروگرام پر کامیابی سے عمل کرتا آرہا ہے' اب مسلم کو گرفتار کرنے کی ٹھان لے اور انہیں مختار کے گھر سے گرفتار کرکے قتل کروادے۔

یہ سوچ کر مسلم مختار کے گھر کی طرف واپس نہیں گئے۔

مسلم کوفہ کی تاریک گلیوں سے گزر رہے تھے۔ وہ کسی خاص منزل کو نظر میں رکھے بغیر ہی بس چلے جارہے تھے۔

پناہ گاہ کی تلاش میں تھے ۔ جلد از جلد کوئی پناہ کی جگہ تلاش کرلینا چاہتے تھے۔ فیصلہ کیا کہ ہانی ابن عروہ کے گھر چلے جائیں' ہانی ابن عروہ کوفہ کے ایک بزرگ تھے اور خاندانِ علی علیہ السلام کے چاہنے والوں میں سے تھے۔ مسلم نے بہت زیادہ راستہ طے کیا آخر کار محلّہ بنی خزیمہ میں پہنچے اور پھر ہانی ابن عروہ کے مکان پر پہنچ گئے مجبوراً داخل ہونے کی اجازت لی۔ ہانی نے عربی دستور اور اسلامی اور مذہبی طبیعت کے مطابق ان کو پناہ دی۔ مسلم کی مہمان نوازی کی اوراپنے گھرمیں چھپنے کا ٹھکانہ بتا دیا۔

ابھی تک مسلم علی الاعلان اور کھلم کھلا اپنا کام کر رہے تھے لیکن آج رات سے انہیں چھپ کر کام کرنا پڑا۔

اب مسلم کو ابنِ زیاد کے سپاہیوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر اپنا مشن پورا کرنا ہے۔

اس رات کے بعد سے انقلابی لوگوں کا اڈہ ہانی ابن عروہ کا مکان قرار پایا۔

مسلم نے دوبارہ از سرِ نو بیعت لینا شروع کی کیونکہ مسلم کو تنہا چھوڑ کر لوگوں نے عملی طور پر اپنی پہلی بیعت توڑ دی تھی۔

ضروری تھا کہ زیادہ تاکید کے ساتھ بیعت کی تجدید کی جائے لکھتے ہیں کہ اس گھر میں تقریباً ۲۵ ہزار افراد نے مسلم سے بیعت کی۔

مسلم کا خیال تھا کہ ابنِ زیاد کو ان مخفی سرگرمیوں کی اور اس بیعت کی کوئی خبر نہیں ہے وہ نہیں جانتے تھے کہ دو شیطانی آنکھیں ان کی تمام سرگرمیوں پر نظریں جمائے ہوئے ہیں اور ہر رات ابنِ زیاد کو مسلم کی سرگرمیوں کی مکمل رپورٹ پہنچ جاتی ہے۔ یہ دو آنکھیں ابنِ زیاد کے خاص غلام معقل کی تھیں کہ جس نے مسجد میں زہد اور پارسائی کا ڈھونگ رچا کر آخرکار مسلم ابنِ عوسجہ کو دھوکہ دیا تھا اور ان کے وسیلہ سے وہ مسلم ابنِ عقیل کی پناہ گاہ یعنی ہانی ابنِ عروہ کے مکان تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔

ابنِ زیاد کو معقل کے ذریعے مسلم کی تمام سرگرمیوں کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ آخر ایک دن اس نے دربار میں ہانی کا ذکر چھیڑا ان کے حال واحوال کے بارے میں پوچھا اور کہا:

"ہانی کوفہ کے بزرگ اور بڑے بڑے لوگوں میں شامل ہونے کے باوجود کیوں ہم سے ملنے نہیں آئے؟ ان سے کہا جائے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کریں اور جلد از جلد ہم سے ملاقات کریں۔"

یہ خبر ہانی تک پہنچی مجبوراً وہ ابن زیاد سے ملاقات کے لئے گئے جیسے ہی ہانی ابن زیاد کے دربار پہنچے' ابن زیاد نے سخت لہجے میں انھیں ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور سختی سے باز پرس کی۔ آخر میں حکم دیا کہ انھیں قصرِ دارالامارہ کی چھت

پر سے گرا دیا جائے۔

اس دوران مسلم نے ہانی کے گھر کو بھی خیرباد کہا اور کسی اور گھر میں پناہ لے لی۔ ابن زیاد نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس ٹھکانے کا بھی پتہ لگا لیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کیا۔

سپاہی مسلم کی پناہ گاہ تک پہنچے۔ وہ بھی مجبوراً اپنے مخفی مقام سے نکلے اور ان سے تنہا جنگ کرنے لگے۔ لیکن چونکہ اکیلے تھے اس لئے آخر ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ سپاہی انہیں ابنِ زیاد کے پاس لے گئے۔ جس نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر کے محل کی چھت سے گرا دیں۔

مسلم کی شہادت اتفاق سے اسی دن واقع ہوئی جب حسین ابن علی علیہ السلام مکہ سے نکل رہے تھے اور وہ آٹھ ذی الحجّ عرفہ کا دن تھا۔

اسی دن امام حسین علیہ السلام نے فیصلہ کیا تھا کہ مکہ سے نکل جائیں گے اور کوفہ کا رخ کریں گے۔

ان کو (ظاہری اعتبار سے) کوفہ کے بعد کے حالات اور مسلم کی گرفتاری کا کوئی علم نہیں تھا۔ بہرحال ان کا پکا ارادہ تھا کہ خدا کے حکم کے مطابق جہاں جانا چاہیے وہیں جائیں۔

سب سے پہلی خطرے کی گھنٹی

حسین ابن علی علیہ السلام ابھی مکہ سے زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ راستے میں مشہور شاعر "فرزدق" نظر آ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں یہ ملاقات ہوئی اس جگہ کا نام "ذات عرق" تھا۔

فرزدق انتہائی تعجب سے دیکھتے ہیں کہ حسین ابن علی علیہ السلام حج مکمل ہونے سے پہلے ہی مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ امام کی خدمت میں شرفیاب ہوتے ہیں۔ ان سے اس بے وقت سفر کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔ امام ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"لو لم اعجل لاخذت"

"اگر میں (مکہ سے نکلنے میں) جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو چکا ہوتا۔"

اس جواب سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اموی خاندان نے ہر جگہ حسین ابن علی علیہ السلام کو اپنے قابو میں لینے کی کوشش کی اور ہر طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ حسین ابنِ علی علیہ السلام جہاں بھی جائیں، جہاں بھی رہیں، خواہ وہ مدینہ ہو یا مکہ یا کوئی اور جگہ، ہر جگہ یزید کے لئے کام کرنے والے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا۔

مدینہ میں وہاں کا والی ولید ابنِ عتبہ یہ کام سنبھالے ہوئے تھا۔ سب سے پہلا اقدام اسی کی جانب سے ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے مدینہ میں حسین ابن علی علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی تھی اس دعوت کا رد عمل یہ نکلا کہ حسین علیہ السلام مدینہ سے چلے اور مکہ پہنچ گئے۔ مکہ میں بھی ایک اور محاذ "عمرو ابن سعید عاص" کی سرکردگی میں موجود تھا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ یا تو حسین ابن علی علیہ السلام کو قتل کر دے یا پھر انہیں گرفتار کر لے۔

"حسین ابن علی علیہ السلام پس پردہ ہونے والے واقعات سے بخوبی واقف تھے۔ بنی امیّہ کے لوگوں نے ان کے خلاف جو محاذ کھڑے کر رکھے تھے وہ ان سب سے باخبر تھے۔ اسی لئے جو لوگ ان کو مکہ سے نکلنے اور عراق کی

طرف جانے سے منع کرتے تھے، کبھی وہ ان کے جواب میں فرماتے تھے کہ :
مجھے خوف ہے کہ اگر میں مکہ میں رہا تو یزید کی طرف سے بھیجے گئے قاتل حرم کی مقدس سرزمین پر میرا خون بہانہ دیں اور اس طرح کہیں کعبہ کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔"

اور اب فرزدق کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر میں مکہ سے نکلنے میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو چکا ہوتا۔"

پھر اس کے بعد حسین ابن علی علیہ السلام نے فرزدق سے اطلاعات حاصل کرنا چاہیں کوفہ اور عراق کے حالات سے آگاہ ہونا چاہا۔"

فرمایا:

فرزدق : لوگوں کو آپ نے کس طرح کا پایا؟

فرزدق نے جواب میں گویا خطرہ کی گھنٹی بجا دی۔ انھوں نے کہا کہ "واقعی آپ نے ایک باخبر شخص سے یہ سوال پوچھا ہے"

اور پھر انہوں نے یہ جواب دیا،

"جان لیجئے کہ لوگوں کی زبانیں آپ کی حمایت میں ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔"

امام نے فرزدق کے جواب میں فرمایا:

"آپ نے سچ کہا ہے کہ حقیقت یہی ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔"

یہ ملاقات اور گفتگو ہم پر یہ بات واضح کرتی ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام آئندہ کے واقعات کا بخوبی اندازہ لگائے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے کس خطرناک راہ پر قدم رکھا ہے۔ جو لوگ حسین ابن علی علیہ

السلام کے عجیب پروگرام اور لائحہ عمل سے بے خبر ہیں وہ کوفہ کی طرف ان کے جانے کو تعجب اور حیرت سے دیکھ رہے ہیں لیکن امام نے تو اس جنگ کا نقشہ ہی قربانی اور شہادت کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ وہ نہایت اطمینان اور ثابت قدمی سے آگے ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ انھیں اپنی آخری منزل تک پہنچنا ہے۔

امام "ذات عرق" سے آگے بڑھ گئے اور "ثعلبیہ" کی منزل پر قیام کیا۔

یہ وہ منزل ہے جہاں سے ہمیں ایک دفعہ پھر معلوم ہوتا ہے کہ حسین علیہ السلام کی آخری منزل واقعی کون سی ہے۔

کہتے ہیں کہ یہی وہ مقام تھا جہاں کچھ دیر سونے کے بعد حسین علیہ السلام اچانک آنکھ کھولتے ہیں۔ اپنے اطراف موجود لوگوں سے فرماتے ہیں۔

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا تھا۔

کہ آپ جا رہے ہیں اور موت بھی آپ کے پیچھے آ رہی ہے۔

وہ آپ کو بہشت لے جائے گی۔"

علی ابن الحسین علیہ السلامؑ امام کے لائق بیٹے نے فوراً پوچھا۔

"بابا! کیا ہم راہ حق پر گامزن نہیں؟"

حسین علیہ السلام نے فرمایا

"کیوں نہیں میرے بیٹے اس خدا کی قسم کہ جس کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے ہم حق پر ہیں"

علی اکبرؑ نے عرض کی!

"جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

حسین علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دعا دی اور فرمایا

"خدا تمہیں جزائے خیر دے میرے بیٹے"

حسین علیہ السلام اور اسی طرح ان کے اہلِ بیتؑ اور ان کے اصحاب یہ اطمینان رکھتے تھے کہ ان کا راستہ حق و فضیلت کا راستہ ہے۔

ان کا مقصد کرسیٔ اقتدار اور جاہ و ثروت نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو موت کے خوف سے ان کے بدن پر لرزہ طاری ہونا چاہئے تھا اور ان کا ارادہ بدل جانا چاہئے تھا۔ لیکن انھوں نے حق کے لئے، حق کی خاطر قیام کیا تھا۔ پس کتنا ہی اچھا ہو اگر وہ اس راہ میں جان کی بازی لگا دیں اور قربانی اور فداکاری کی ایک رسم دنیائے انسانیت کو تعلیم دے جائیں۔ ایک ایسے دین کی بنیادیں مضبوط کر جائیں جو ہمیشہ کے لئے ظالموں کے پنجے سے آزاد ہو جانے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے الہام بخش رہے۔

تیسرا شہید

حسین ابن علی علیہ السلام اس منزل سے بھی آگے بڑھ گئے۔ وہ اسی طرح آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ "الحاجر" کی سرزمین پر قیام کیا۔

اس منزل سے انھوں نے بزرگانِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا اور "قیس ابن مسہر صیداوی" کے ہاتھوں کوفہ روانہ کیا۔

ابھی تک حسین ابن علی علیہ السلام کو کوفہ کے حالات میں تبدیلی کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ (ظاہری ذرائع سے) نہیں جانتے تھے کہ ابنِ زیاد نے کس طرح حالات کو یزید کی موافقت میں تبدیل کر دیا ہے۔

حسین ابن علی علیہ السلام اس خط میں حمدِ خدا کے بعد اس بات کی طرف

اشارہ کرتے ہیں کہ۔

"میں پہلے مسلم ابن عقیل کو اپنی نمائندگی کے لئے کوفہ بھیج چکا ہوں۔ میرے چچازاد بھائی مسلم نے مجھے آپ کے اتحاد و اتفاق اور یک جہتی سے آگاہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ لوگوں نے خود کو منظم کر لیا ہے۔ تاکہ ہمارے دشمن سے جنگ کریں۔ اور حق کی مدد کریں۔ میں خدا سے آپ لوگوں کے لئے اجرِ عظیم کا طلب گار ہوں۔ اور آپ کو خوشخبری دے رہا ہوں کہ میں بروز منگل آٹھ ذی الحج کو مکہ سے نکلا ہوں اور آپ ہی کی طرف آ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر قائم رہیں گے اور مقصد تک پہنچنے کی راہ میں ثابت قدم رہیں گے۔ انشاء اللہ چند ہی دنوں میں آپ سے ملاقات کروں گا۔"

والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

قیس اس خط کو لے کر کوفہ کی طرف کوچ کرتے ہیں ان کو معلوم نہیں ہے کہ ابن زیاد نے کوفہ کی طرف جانے والے تمام راستوں پر سخت پہرہ بٹھا دیا ہے۔ مسلم ابن عقیل کو گرفتار کر کے شہید کر دینے کے بعد ابن زیاد کوفہ کے سپاہیوں کے سربراہ "حصین ابن نمیر" کو حکم دیتا ہے کہ بارہ ہزار سوار شہر تک آنے والے تمام راستوں پر پھیل جائیں اور کسی کو بھی مکمل تفتیش اور تلاشی کے بغیر نہ تو کوفہ سے نکلنے دیں اور نہ ہی شہر میں داخل ہونے دیں۔

حصین ابنِ نمیر اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیتا ہے تاکہ حسین ابن علی علیہ السلام کے مفاد میں کوئی بھی آمد و رفت نہ ہونے پائے۔

قیس ابن مسہر صیداوی ان تمام سیاسی اور فوجی کاروائیوں سے بے خبر

بیابانوں کو طے کر رہے تھے اور کوفہ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔
یہاں تک کہ قادسیہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

خلافِ توقع انھیں حصین ابن نمیر کے سپاہی دور سے نظر آ جاتے ہیں وہ حالات کو بالکل پلٹا ہوا دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ وہ ابن زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں گے اور فوراً حسین ابن علی علیہ السلام کا دیا ہوا خط جس میں کوفہ کے بعض بزرگوں مثلاً سلیمان ابن صرد خزاعی، مسیب ابن نجبہ، رفاعہ ابن شداد اور دیگر حضرات کے نام بھی لکھے تھے، اپنی جیب سے نکال کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں تاکہ دشمن کے ہاتھ میں یہ خط نہ پڑ جائے اور اسے حسین ابن علی علیہ السلام کے ان شیعوں اور طرف داروں کے نام معلوم نہ ہو جائیں جو حسین علیہ السلام کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

لیکن قیس کی یہ حرکت ابن زیاد کے تیز نگاہ سپاہیوں سے مخفی نہ رہ سکی۔ انھوں نے قیس کو گرفتار کر لیا اور خط کے ٹکڑوں کو جمع کر کے اسے پڑھنے کی کوشش کر ڈالی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ قیس نے خط کو اس طرح ریزہ ریزہ کیا تھا کہ تفتیش کرنے والوں کے لئے بھی اب قابلِ استفادہ نہیں رہا تھا۔

حصین ابن نمیر کو اس بات پر سخت غصہ آیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قیس کو زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے ہوئے کوفہ لے جائیں اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیں۔

قیس کو اس طرح کوفہ لے جایا گیا۔ ابن زیاد دارالامارہ میں یزید کا مکمل اختیارات کا حامل نمائندہ تھا۔ اس نے حکم دیا کہ قیس کو اس کے پاس لایا جائے۔ قیس کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔

ان دونوں کے درمیان کچھ اس طرح باتیں ہوئیں۔

ابن زیاد! اپنا تعارف کرا۔

"قیس! قیس ابن مسہر صیداوی، میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور ان کے بیٹے حسین علیہ السلام کا شیعہ اور عقیدت مند ہوں۔"

"ابن زیاد: مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک خط تمہارے ہمراہ تھا۔"

قیس: ہاں

ابن زیاد: اس کو تو نے کیوں پھاڑ دیا؟

قیس: تاکہ تو اس میں لکھی ہوئی باتوں سے آگاہ نہ ہو جائے۔

ابن زیاد: خط کس کی طرف سے تھا اور تو اسے کس کے لئے لے جا رہا تھا؟

قیس: حسین ابن علی علیہ السلام کا خط تھا اور کوفہ کے بعض بزرگوں کے نام تھا۔

ابن زیاد: ان کا نام بتا۔

قیس: مجھے نہیں معلوم۔

ابن زیاد کو اب شدید غصہ آیا۔ وہ چلایا۔

"تجھے مسجد کے منبر پر لوگوں کے سامنے جانا پڑے گا اور حسینؑ اور اس کے خاندان کو برا بھلا کہنا ہو گا اور پھر مجھے ان لوگوں کے نام بتانے ہوں گے جن کے لئے وہ خط تھا۔ ورنہ میں حکم دے دوں گا کہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔"

جس طرح قیس جیسے فداکار اور شائستہ مجاہد سے توقع تھی انہوں نے

انتہائی اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔

"میں حاضر ہوں کہ لوگوں کے سامنے منبر پر جاؤں لیکن وہ خط کن کن لوگوں کے لئے تھا میں ان کے نام بتانے سے معذور ہوں۔"

ظہر کا وقت ہو گیا۔

ابن زیاد مسجد میں گیا۔ تمام بزرگانِ شہر بھی آئے ہوئے تھے۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ قیس کو مسجد میں لایا گیا۔ پروگرام یہ ہے کہ وہ منبر پر جائیں گے اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حسین علیہ السلام کی مذمت کریں گے۔ وہ منبر پر گئے۔ ابن زیاد کی توقع کے خلاف انھوں نے جوشیلے انداز میں یہ کہنا شروع کیا۔

"لوگو! حسین علیہ السلام خدا کی بہترین مخلوق اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ وہ آپ کے پاس آنے والے ہیں ابھی وہ "الحاجر" پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کا استقبال کیجئے۔"

قیس نے گرما گرم تقریر کی۔ ابن زیاد کے حکم کے بالکل برخلاف۔

لیکن وہ اپنی زور دار تقریر کو اختتام تک نہ پہنچا سکے۔ کیونکہ سپاہیوں نے ان کو پکڑ لیا تھا اور پھر ابن زیاد کے حکم کے مطابق ان کو دارالامارہ کی چھت پر لے گئے اور وہاں سے زمین پر پھینک دیا۔ اس لحاظ سے وہ واقعہ کربلا سے متعلق تیسرے شہید شمار ہوتے ہیں پہلے "مسلم ابن عقیل" دوسرے "ہانی ابن عروہ" اور تیسرے "ابن مسہر صیداوی"۔

پردے ہٹ جاتے ہیں

حسین ابن علی علیہ السلام اس منزل سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اور پھر

"زرود" نامی مقام پر قیام فرمایا۔

ایک اونٹ سوار تیزی سے آ رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ حسین علیہ السلام کی سواری پر پڑی۔ اس نے اپنا راستہ تبدیل کر دیا۔ اس نے چاہا کہ راستہ سے ہٹ کر آگے بڑھ جائے۔ اس طرح کہ حسین علیہ السلام سے مڈبھیڑ نہ ہو پائے۔

حسین ابن علی علیہ السلام کی خواہش تھی کہ اس اونٹ سوار سے ملاقات کر کے کوفہ کے حالات سے واقفیت حاصل کریں لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ ملاقات کرنے پر مائل نہیں ہے اور راستہ چھوڑ کر آگے بڑھ رہا ہے تو حسین ابن علی علیہ السلام نے بھی اس کی طرف سے توجہ ہٹا لی اور اس سے ملنے کی کوشش نہ کی۔

وہ اونٹ سوار اسی طرح آگے بڑھتا رہا اور اپنے اونٹ کو ہنکاتا رہا لیکن عرب کے دو معزز آدمی ایک "سلمان ابن عبداللہ" اور دوسرے "منذر ابن مشعل" جو کہ اعمالِ حج سے فارغ ہونے کے بعد عجلت میں مکہ سے چلے تھے اور "زرود" کے مقام پر حسینی قافلہ سے مل گئے تھے' انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

ان کو بھی کوفہ کے حالات جاننے کی بڑی فکر لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے اونٹوں کو موڑا اور تیزی سے اس کا پیچھا کرنے لگے یہاں تک کہ آخر کار اس تک پہنچ گئے اور اپنا تعارف کرایا۔

اونٹ سوار شخص نے جب یہ دیکھا کہ یہ دونوں قبیلہ بنی اسد سے ہیں اور اسی کے خاندان کے ہیں تو اس نے ان سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا اور کہا

کوفہ کے حالات بگڑ چکے ہیں۔ میں نے خود مسلم اور ہانی کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کو رسی سے باندھ کر کوچہ و بازار میں گھسیٹ رہے ہیں۔

سلمان اور منذر کہتے ہیں کہ جب وہ اونٹ سوار ہمیں اپنی معلومات فراہم کر چکا تو اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ ہم حسین ابن علی علیہ السلام کی خدمت میں واپس لوٹ آئے۔

رات کا تاریک پردہ ہر جگہ ہر چیز کو ڈھانکے ہوئے تھا حسین علیہ السلام اپنے لئے بچھائی گئی ایک کالی چادر پر بیٹھے تھے۔ ان کے اصحاب ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

ہم ان کی خدمت میں پہنچے سلام کیا اور کہا کہ ہمارے پاس ایک خبر ہے سب کے سامنے بتا دیں یا خلوت میں عرض کریں؟ حسین ابن علی علیہ السلام نے ہمیں اور اپنے اطراف بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا اور فرمایا "نہیں میں کوئی بات ان سے چھپاتا نہیں ہوں۔ سب کے سامنے کہیے۔"

ہم نے کہا

"جو اونٹ سوار ابھی اس راستے سے گزرا اسے آپ نے دیکھا؟"

"فرمایا ہاں میں نے دیکھا مجھے بہت خواہش ہو رہی تھی کہ میں اس سے کوفہ کے حالات معلوم کروں۔"

"ہم نے کہا ہم نے یہ کام انجام دے دیا ہے۔ وہ ہمارے ہی قبیلے سے تھا۔ وہ ایک سچا اور سمجھدار آدمی ہے۔"

"اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ میں نے کوفہ میں مسلم اور ہانی کو قتل کیا ہوا پایا اور میں نے دیکھا کہ لوگ ان کے پیروں میں رسی باندھے ہوئے بازاروں

میں گھسیٹ رہے ہیں"

حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

پھر ہم نے ان کو قسم دی کہ وہ اب اس راستہ پر مزید آگے نہ بڑھیں' واپس لوٹ جائیں اور خود کو اور اپنے خاندان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں ہم نے ان کو یقین دلایا کہ کوفہ میں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

حسین علیہ السلام نے بنی عقیل (مسلم کے والد عقیل کی اولاد) کی طرف رخ کیا اور کہا آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ آپ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ان لوگوں نے کہا کہ "نہیں خدا کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے۔ ہمیں مسلم کے خون کا انتقام لینا چاہئے یا انھیں کی طرح شہادت کے عظیم درجہ تک پہنچ جانا چاہیے۔"

حسین ابن علی علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا۔

"خدا کی قسم ان کے گزر جانے کے بعد زندگی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔"

اب پردے ہٹ چکے تھے۔ حسین علیہ السلام کوفہ کے حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ لیکن وہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ جو اپنا فرض انجام دینے میں سستی کرے اور ان ناگوار خبروں کو سن کر واپس جانے کا ارادہ کرے۔

حسین ابن علی علیہ السلام کے قافلہ میں اس رات شدید غم و اندوہ کی

کیفیت طاری رہی۔ سب شہادتِ مسلم کے عزادار تھے۔ وہ ان کے قتل کئے جانے پر آنسو بہا رہے تھے۔ شہادتِ مسلم کی خبر نے آئندہ کے حالات کو کم و بیش واضح کر دیا تھا۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہ موت اور شہادت کا راستہ ہے' اقتدار اور دولت و ثروت کا راستہ نہیں۔

لہٰذا حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کی ایک قابلِ توجہ تعداد یعنی وہ لوگ جو درہم و دینار کے عشق میں اور جاہ و مقام حاصل کرنے کی امید میں قافلہ حسینی کے ساتھ ہو گئے تھے۔ وہ حسینی قافلہ سے جدا ہو گئے اور اپنی اپنی راہ لی۔

صحرا نے اپنے سر سے سرمئی رنگ کی چادر اتار دی اور غمگین اور اڑے ہوئے رنگ والے سورج نے اپنا سر افق سے باہر نکالا۔

یہ قافلہ کی حرکت کا وقت تھا۔

سب دیکھنا چاہتے تھے کہ اس قافلہ کے سردار و سالار حسین علیہ السلام کیا حکم دیتے ہیں۔

حسینؑ ابن علیؑ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور قافلہ "شراف" نامی مقام کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک رات انہوں نے "شراف" میں بسر کی۔

یہاں سے آگے بڑھنے سے پہلے حسینؑ نے ایک غیر معمولی حکم دیا۔ آپؑ نے حکم دیا کہ اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ مقدار میں پانی لے لیا جائے۔ قافلہ کی ضرورت سے بھی زیادہ!!

کافی مقدار میں پانی اپنے ہمراہ لے کر قافلہ آگے بڑھا۔ حسینؑ نے یہ حکم کیوں دیا تھا؟ جلد ہی یہ راز بھی آشکار ہو جائے گا۔

سب سے پہلی مڈ بھیڑ

حسینی قافلہ اسی طرح بیابانوں کو طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سورج آسمان کے بیچوں بیچ پہنچ چکا تھا۔ اور وہاں سے آتشی آبشار سا زمین پر گر رہا تھا۔ قافلہ گرمی کی شدت سے نڈھال تھا۔ یہ قافلہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد کسی منزل پر پہنچ جائے اور اس ہلاک کر دینے والی گرمی سے نجات پائے وہ اپنی اپنی سواریوں کو ہنکا رہے تھے مگر ان کی نگاہیں افق کی سمت لگی ہوئی تھیں۔ اب یہ قافلہ کوفہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھیوں کو یہ امید تھی کہ کوفہ کے لوگ جنھوں نے خود حسین علیہ السلام کو دعوت دی ہے اور جو اس سفر کا اصل سبب ہیں اور اب تو حسین علیہ السلام ان کے شہر کے قریب پہنچ چکے ہیں، پس وہ لوگ ان کی زیارت کے لئے اور ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئیں گے اور ان کی مدد کرنے کے لئے ان تک پہنچ جائیں گے۔

البتہ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی تھی کہ ابن زیاد کو یزید نے بہت بڑی اور خطرناک ذمہ داری سونپی ہوئی ہے۔ وہ بہت سختی سے حسین علیہ السلام کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کے جاسوس ان کے راستے پر مستقل نگاہیں جمائیں ہوئے ہیں۔ سب جانتے تھے کہ ابن زیاد کے کوفہ آنے کے بعد یہ شہر ایک دم تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔

مسلم شہید ہو چکے ہیں۔ ان اسّی ہزار بیعت کرنے والوں کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔ جن کا مسلم نے ذکر کیا تھا۔ اور نہ صرف یہ کہ حسین ابن علی علیہ السلام کا کوفہ میں کوئی ٹھکانہ موجود نہیں ہے بلکہ ابن زیاد کی طرف سے دی گئی دھمکیوں اور لالچ نے کوفہ کے عام و خاص ہر قسم کے لوگوں کو حسین علیہ السلام کا مخالف بنا دیا ہے اور اب کوفہ حسین علیہ السلام کے مخالفوں کا گڑھ بن کر رہ گیا ہے۔

لیکن پھر بھی سب کو توقع تھی کہ اتنے بہت سے دعوت دینے والوں میں سے' ان سب لوگوں میں سے جو خود کو خاندانِ نبوت و رسالت کا دوست اور شیعہ سمجھتے ہیں کم از کم کچھ لوگ تو کوفہ سے اور ابن زیاد کے کنٹرول سے نکل سکیں گے اور حسین ابنِ علی علیہ السلام کے قافلہ تک پہنچ ہی جائیں گے۔

قافلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک اللہ اکبر کی ایک زوردار آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔

یہ حسین علیہ السلام کے ایک ساتھی تھے جو "اللہ اکبر" کی آواز بلند کر کے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے تکبیر کیوں کہی؟

انھوں نے کہا: کیا آپ لوگ کھجور کے درختوں کو نہیں دیکھ رہے؟ وہاں' افق کے نزدیک دیکھئے کیسا وسیع و عریض نخلستان ہے۔

"ہم اب وہاں جا کر ان درختوں کے سائے میں آرام کریں گے۔"

واقعی گرمی نے ان کی طاقت چھین لی تھی۔

تمام قافلے والے اس قسم کے سائبان کی سخت ضرورت محسوس کر رہے

تھے۔

سب کی نگاہیں افق پر جم گئیں۔ اسی جگہ جہاں ان کے ایک ساتھی نے اشارہ کیا تھا۔ دور سے کچھ نظر تو آ رہا تھا لیکن وہ حیران تھے کہ وہ ہے کیا چیز!

انہوں نے اپنی رفتار میں اور اضافہ کر دیا تاکہ جلد از جلد اس نخلستان میں پہنچ جائیں اور صحرا کی اس دھوپ سے جو جسموں کی طاقت چھین لیتی ہے جلد نجات پا لیں۔ اسی دوران ایک اور شخص جو کہ ان راستوں سے زیادہ واقف تھا پکار اٹھا:

"عجیب بات ہے!"

"میں اس راستہ سے خوب واقف ہوں۔ کئی دفعہ یہاں سے گزرا ہوں۔ میں نے آج تک یہاں کوئی بھی نخلستان نہیں دیکھا۔"

وہ لوگ کچھ اور آگے بڑھے۔

ان کی تیز نگاہیں مزید غور سے دیکھنے لگیں۔

حسین ابن علی علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس ساتھی نے جس چیز کو نخلستان سمجھا ہے، جلد از جلد جان لیا جائے کہ وہ آخر کیا چیز ہے۔

جو لوگ اس راستہ پر پہلے کبھی آ چکے تھے انہوں نے بھی اظہار کیا کہ انہوں نے یہاں پہلے کوئی نخلستان نہیں دیکھا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے فرمایا۔

"اگر نخلستان نہیں ہے تو نظر آنے والی چیز آخر کیا ہے؟"

ایک اور ساتھی نے جن کی آنکھیں دوسروں کی نسبت زیادہ تیز تھیں یہ صدا دی:

"خدا کی قسم مجھے نیزوں کی انیوں اور گھوڑوں کے کانوں کے علاوہ اور کچھ نظر

نہیں آتا۔"

جیسے جیسے قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔ نیزوں کی چمک اور گھوڑوں کے کانوں کی حرکت اور واضح ہوتی جا رہی تھی۔ آخر کار سب کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو وہ نخلستان سمجھ رہے تھے وہ گھوڑوں پر سوار ہتھیاروں سے مکمل طور پر لیس ایک فوج ہے جو ان کے نزدیک آ رہی ہے۔

یہ لوگ دوست ہیں یا دشمن؟

یہ لوگ حسین علیہ السلام کے مددگار ہیں یا مخالف؟

یہ ایک ایسا سوال تھا جو سب کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔

حسین ابن علی علیہ السلام سوچ رہے تھے کہ ان کو دشمن سمجھا جائے اور ان سے مڈبھیڑ ہونے سے پہلے فوجی اعتبار سے اپنی پوزیشن مضبوط بنا لینی چاہیے اور ایک مناسب جگہ منتخب کر لینی چاہیے۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

"کیا یہاں آس پاس کوئی پناہ گاہ ہے جہاں ہم محفوظ رہ سکیں اور وہاں سے سواروں کا مقابلہ کر سکیں؟"

زہیر ابن قین بجلی نے کہا: جی ہاں! "ذوحسم" نامی پہاڑیاں نزدیک ہے۔ ہم فوجی اعتبار سے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور وہاں سے ہم دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

دشمن کے مقابل

حسینی قافلہ نے اپنا راستہ کوہ "ذوحسم" کی طرف موڑ دیا۔

اب وہ گھڑ سوار بھی نزدیک آ گئے تھے اور دونوں طرف کے لوگ ایک

دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

ان سواروں نے جب دیکھا کہ حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنا قافلہ کوہ "ذو حسم" کی طرف موڑ دیا ہے تو انہوں نے بھی اپنا راستہ موڑا اور حسینی قافلہ کی نسبت زیادہ تیز رفتاری سے اسی پہاڑ کی طرف گھوڑے دوڑانے لگے تاکہ ان سے پہلے پہاڑ پر پہنچ جائیں لیکن حسین علیہ السلام اس پہاڑ سے زیادہ نزدیک تھے۔ وہ جلد ہی وہاں پہنچ گئے اور اسے اپنے لئے پناہ گاہ بنالیا' اور ان انجانے سواروں سے مڈبھیڑ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

حسینی قافلہ پر یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ لوگ ان کے تعاقب میں ہیں اور ان تک پہنچنا چاہتے ہیں لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آیا وہ دوست ہیں یا دشمن۔ بہرحال وہ لوگ حسین علیہ السلام کی طرف آ رہے تھے۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ حسینی قافلہ تک پہنچ گئے اور ان کے سامنے ٹھہر گئے۔ تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ ان کے سپہ سالار کا نام "حر ابن یزید تمیمی" المعروف بہ ریاحی تھا۔

ہوا انتہائی گرم تھی۔ ابھی ابھی پہنچے ہوئے سوار شدت سے پیاس محسوس کر رہے تھے۔ ان کے چہروں اور جسموں سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہی حال ان کے گھوڑوں کا تھا۔ پیاس اور گرمی نے ان کی طاقت سلب کر رکھی تھی۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے ان کی رقت طاری کر دینے والی یہ حالت دیکھی۔ ان کی پیاس اور ان کی بے تابی کا مشاہدہ کیا اور پھر ان سے (ان کے بارے میں) کچھ پوچھے بغیر ہی' یہ جانے بغیر ہی کہ وہ دوست ہیں یا دشمن اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ جو پانی "شراف" نامی منزل سے جمع کیا تھا وہ ان سواروں کو پلا دیں اور سیراب کر دیں۔

حسین علیہ السلام سے ایسی ہی توقع کی جا سکتی تھی۔ حسین علیہ السلام ہمیشہ انسانیت اور فضیلت کی راہ پر چلتے ہیں۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ سوار ان کی مدد کرنے آئے ہیں یا ان سے جنگ لڑنے۔ بس وہ تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ انسان ہیں' پیاسے ہیں اور گرمی کے مارے۔ انسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ حسین علیہ السلام ہر چیز سے پہلے' سب سے پہلے انہیں سیراب کر دیں اور عملی طور پر انسان کو انسانیت اور فضیلت کا درس دیں اور کسی بھی حالت میں اپنا اصل مقصد نہ بھولیں۔

اس دن ہم دیکھتے ہیں کہ حسین ابن علی علیہ السلام انتہائی فراخ دلی اور جواں مردی کے ساتھ ان سواروں کو سیراب کر رہے ہیں شاید وہ جانتے تھے بلکہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ چند روز بعد یہی لوگ ان پر اور ان کے عزیز بچوں پر پانی بند کر دیں گے۔ ان کو پیاسا اور سوگوار ہی دریائے فرات کے کنارے شہید کر دیں گے۔

حسین علیہ السلام ان سواروں کو اچھی طرح پانی پلا کر فارغ ہوئے۔ ان کے گھوڑوں کو بھی سیراب کر دیا اور پھر کہیں جا کر حسین ابن علی علیہ السلام نے ان کے سپہ سالار حر ابن یزید کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

"ہماری مدد کے لئے آئے ہو یا ہمارے مخالف ہو؟"

حر نے جواب دیا: "ہم آپ کے مخالف ہیں"

حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لاحول ولا قوۃ الا باللہ (اللہ کی طاقت اور قدرت کے آگے کسی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں)

وہ سوار سیراب ہو گئے اور اپنی سواریوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔

ادھر حسین علیہ السلام کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

دونوں لشکروں کے درمیان ایک میدان کا فاصلہ تھا۔ وہ ایک دوسرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ سورج بھی ان دونوں لشکروں کے اوپر حیران کھڑا تھا۔ وہ اِدھر حسین علیہ السلام کے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا تو اُدھر اسے ابن زیاد کے سپاہی نظر آ رہے تھے۔ وہ حق کو بھی دیکھ رہا تھا اور باطل کو بھی۔ عدل و انصاف بھی اس کے سامنے تھا اور ظلم و تعدی بھی۔ ظلم و تعدی کی عدل و انصاف کے خلاف لشکر کشی اسے پسند نہیں آئی۔ اسے غصہ آگیا۔ اس نے جلدی سے گزر جانا چاہا۔ انسان کے ناخلف فرزندوں کی یہ شرم آور حرکت وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ابھی تک تو وہ آسمان کے بیچوں بیچ تھا مگر اب وہ سہ پہر کی ڈھلان میں اتر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد افق کی پناہ گاہ میں چھپ جائے۔

ظہر کے وقت کا اعلان ہوا۔ حسین علیہ السلام کے موذن کی تکبیر کی آواز سے صحرا لرز اٹھا۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر

یہ حسین علیہ السلام کا اور ان کے اصحاب کا نعرہ تھا۔

خدا ہر چیز سے بڑا ہے۔ ہر چیز سے۔

دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے عہدوں اور مقامات سے، دولت و ثروت کے انبار سے، حکومتوں اور سلطنتوں سے، ناپائیدار آرزوؤں سے، انہیں آرزوؤں سے جو کہ زندگی کے آسمان پر تھوڑی دیر کے لئے چمکتی اور ٹمٹماتی ہیں اور پھر ختم ہو جاتی ہیں غرض خدا ان سب چیزوں سے بڑا ہے۔

یہ سب پانی کے بلبلے ہیں جو جلد ختم ہو جاتے ہیں اور جن پر بھروسہ نہیں کیا جا

سکتا۔

وہ سب سے بڑا ہے۔

ہر چیز سے زیادہ پائیدار ہے۔

ابدیت اور ابد تک رہنا صرف اسی کی شان ہے۔

اس کے علاوہ ہر چیز سراب کی حیثیت رکھتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

اللہ کے علاوہ تمام چیزیں سایوں کی طرح ہیں۔ جنھیں کوئی چھو نہیں سکتا اور جن کی کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہوتی۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر

خدا ہر چیز سے بڑا ہے' برتر ہے اور اعلیٰ ہے۔

جو بھی اس سے منسلک ہو جائے' جو بھی اس کی راہ میں قدم رکھے' وہ بھی اسی کی طرح ہمیشہ زندہ رہے گا۔

جو لوگ بھی اس کی طرف جانے کے بجائے کوئی اور راہ اختیار کرتے ہیں وہ راہ تاریکی کے سوا اور کچھ نہیں جو انھیں بھی اپنے اندر گم کر دے گی۔ ایک تاریکی جاہ و اقتدار کی تاریکی ہے۔ ایک تاریکی حکومت اور مقام کی تاریکی ہے۔ اور اس قسم کی ہزارہا تاریکیاں دنیا میں موجود ہیں جو کھوکھلی اور اندر سے خالی ہوتی ہیں۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر

اور یہی وہ سمت ہے جدھر حسین علیہ السلام جا رہے ہیں اور جدھر انسانوں کو بلا رہے ہیں' وہ لوگوں کو تاریکیوں سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے بجائے حق اور حقیقت کے راستے پر لگا دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہی راستہ ہر راستے سے بہتر ہے۔

حسین علیہ السلام کے مخصوص موذن "حجاج ابن مسروق" نے اذان مکمل کی۔

پھر حسین ابن علی علیہ السلام اپنے مخصوص وقار اور اطمینان کے ساتھ اپنے خیمے سے نکلے اور دونوں لشکروں کے درمیان جا کر کھڑے ہو گئے ان کا رخ کوفی سپاہیوں کی طرف تھا۔ خدا کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:۔

"آپ لوگوں نے بہت سے خطوط لکھ کر مجھے دعوت دی۔ آپ نے کہا کہ اگر میں آپ کے پاس نہ آؤں تو آپ کے پاس کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے۔ آپ کے قاصدؑ آپ کی زبان میں کہتے تھے کہ خدا ہمیں آپ کی پناہ میں حق کی طرف رہبری کرے۔ انھیں خطوط اور انہیں قاصدوں کی وجہ سے میں آپ کے پاس آیا ہوں اور ابھی میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اگر پہلے کی طرح آپ لوگ اپنے قول و قرار پر باقی ہیں تو آگے آیئے اور اپنے میثاق کی تجدید کیجئے۔ اگر اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے تو بتایئے تاکہ میں جس راستے سے آیا ہوں اسی راستے سے واپس چلا جاؤں"

سب پر ایک عجیب سکوت کا عالم طاری رہا۔

کوفہ کے سپاہیوں نے امام کی باتوں کو سنا لیکن ان میں سے کسی نے بھی امام کے جواب میں کوئی بات نہیں کہی۔ سب خاموش رہے۔ ایک شرم میں ڈوبی ہوئی خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔

امام کا خطاب ختم ہوا اور پھر وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

حر اور حر کے سپاہیوں نے بھی ان کی اقتدا میں اور ان کی امامت میں نماز ادا کی۔

نمازِ عصر سے فارغ ہونے کے بعد حسین ابن علی علیہ السلام پھر ان دونوں

لشکروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور کوفہ کی سپاہ کو حق و عدالت کی طرف دعوت دی۔ ان سے چاہا کہ ظالموں کی مدد کرنا چھوڑ دیں اور خدا کی مرضی کو اختیار کریں لیکن پھر بھی مجمع سے کوئی جواب نہ آیا۔ صرف لشکر کے سپہ سالار حر ابن یزید ریاحی نے حسین ابن علی علیہ السلام کے جواب میں کہا:

"ہمیں ان خطوط کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے ہمیں صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو کوفہ لے جائیں اور ابن زیاد کی خدمت میں پیش کر دیں"

حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

"الموت ادنی من ذلک"

"موت اس حکم کے مطابق جھک جانے سے بہتر ہے۔"

حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ خیموں کو تہہ کر لیں۔ پھر انہوں نے چاہا کہ واپس ہو جائیں تو کوفی سپاہیوں نے راستہ روک لیا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ ایسے راستے پر چلا جائے کہ جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ جاتا ہو۔

جوانوں کے لئے موت کوئی عار نہیں

حرؑ خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتا تھا۔ حسین علیہ السلام کے حسب نسب اور ان کی شخصیت اور عظمت سے واقف تھا۔ اسی لئے وہ حسین ابن علی علیہ السلام سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اپنا کام محبت اور نرمی سے نکال لے۔ اسی لئے اس نے حسین ابن علی علیہ السلام پر سختی نہیں کی۔ مل کر یہ طے کیا کہ دونوں لشکر ایک راستے پر آہستہ آہستہ چلتے رہیں گے تاکہ حرؑ ابن زیاد کو خط لکھ کر اپنی آئندہ ذمہ داری معلوم کر سکے۔

دونوں لشکروں نے "عذیب" اور "قادسیہ" کے درمیانی راستے کو اختیار کیا

اور آگے بڑھتے رہے جب بھی حسین علیہ السلام اپنا راستہ مدینہ کی طرف موڑنا چاہتے تھے حر اور اس کے سپاہی انھیں روک دیتے تھے اور مڑنے نہ دیتے تھے۔

دن رفتہ رفتہ ختم ہو رہا تھا۔ سورج اپنے غم آلود چہرے کو عراق کی ریت کے پیچھے افق سے ٹکرا رہا تھا۔ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوا جا رہا تھا۔ صحرا پیلے رنگ کی روشنی سے پر ہو گیا تھا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس پیلے رنگ کی جگہ تیرگی اور سیاہی نے لے لی۔ راستہ کے دونوں طرف موجود مٹی کے ٹیلے' قصے کہانیوں کے جن بھوتوں کی طرح قافلہ والوں کے پاس سے گزرتے ہوئے معلوم دے رہے تھے' صحرا نے غم کے مارے سیاہ چادر اپنے سر پر ڈال لی تھی اور رات کے سیاہ پردے کے پیچھے سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حر نے اپنا گھوڑا ذرا آگے بڑھا لیا۔ یہاں تک کہ وہ حسین علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ سلام کیا اور نصیحت کی زبان بولنے لگا۔

اس نے کہا:

"اے حسین علیہ السلام مجھے آپ کی جان کا خوف ہے کیونکہ دشمن کے پاس طاقت ہے آپ اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر جنگ کریں گے تو یقینی طور پر قتل کر دیئے جائیں گے۔"

حسین علیہ السلام نے حر کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا:

"قتل ہو جانا!!"

"تم مجھے قتل ہو جانے سے ڈرا رہے ہو! تم مجھے نصیحت کر رہے ہو کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے یزید کے فرمان کا تابع بن جاؤں!!"

"میں تمہارے جواب میں وہی کہوں گا جو "اوس" نے اپنے چچازاد بھائی کے

جواب میں کہا تھا۔

"اوس نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ میں جا رہا ہوں۔ موت جوانوں کے لئے ننگ و عار نہیں ہے ایسے جوان کے لئے جو راہِ حق میں آگے بڑھ رہا ہو۔ اور جو اچھے اور شائستہ لوگوں کے ہمراہ ہو اور جو گناہگاروں اور معاشرہ کو تباہ کر دینے والوں سے دوری اختیار کئے ہوئے ہو۔ ایسے جوان کے لئے موت میں کوئی ذلت نہیں۔"

"ہاں موت ایسے شخص کے لئے عیب اور ننگ نہیں ہے۔"

"میں جاؤں گا مجھے اپنی جان بچانے کی فکر نہیں۔ میں جاؤں گا تاکہ میدانِ جنگ میں بے شمار سپاہیوں سے ٹکرا جاؤں اور اپنی جان کی کشتی کو دشمن کے سمندر میں غرق کر دوں۔"

"اگر میں زندہ بچ گیا تو بھی مجھے پشیمانی نہیں ہوگی اور اگر جان دے دی تو بھی کوئی برا بھلا نہیں کہے گا۔"

"تمہارے لئے یہی ذلت اور پستی کافی ہے کہ تم زندہ تو رہو لیکن ظلم و ستم کے تازیانوں کے نیچے زندہ رہو۔"

حر نے امام کی ان باتوں کو سنا اسے معلوم ہو گیا کہ حسین علیہ السلام کا قطعی فیصلہ کیا ہے وہ واپس لوٹ گیا لیکن اس کے دل میں ایک عظیم ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ خود کو اس حالت میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے فرزندِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا راستہ روک رکھا ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس نے فضیلت اور دیانت کے خلاف قدم اٹھا رکھا ہے اب تک وہ سوچ کر خوش تھا کہ آخر کار صلح ہو جائے گی اور اسے حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کا بھاری بوجھ اٹھانا نہیں پڑے گا۔

لیکن اب اسے معلوم ہو گیا کہ حسین علیہ السلام اپنے عزم میں راسخ اور اپنے

ارادہ میں قائم ہیں۔ یزید کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس راہ میں حتیٰ اپنی جان تک دینے کو تیار ہیں۔

حُر گہری سوچ میں غرق تھا اور خود کو ایک عجیب و غریب اور خطرناک دوراہے پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس کی یہ حالت روزِ عاشورا تک باقی رہی روزِ عاشورا جب کہ حسین علیہ السلام اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کی بہت ہی بڑی فوج کے مقابل تھے اور جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔

ایسے وقت میں حر نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے اپنا راستہ معین کر لیا تھا۔ وہ شرم و پشیمانی کے عالم میں اپنے سپاہیوں کے درمیان سے نکلا اور سپاہِ حسینی میں شامل ہو گیا۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر ہم دیں گے۔

بہرحال اس وقت دو قافلے یا بہتر الفاظ میں حسینی قافلہ اور کوفہ کے جنگجو سپاہی اسی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک رات "قصر بنی مقاتل" نامی جگہ پر بسر کرتے ہیں۔ صبح صبح اس جگہ سے کوچ کرتے ہیں اور نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔

گویا اس رات حسین علیہ السلام سوئے نہیں تھے وہ راستے بھر اسی طرح اونٹ پر سوار رہے اور اسی عالم میں آخر کار سو گئے۔

"عقبہ بن سمعان" کہتے ہیں کہ:

ابھی ہم نے زیادہ فاصلہ طے نہ کیا تھا کہ حسین علیہ السلام سو گئے لیکن جلد ہی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے۔ سب کی نگاہیں حسین علیہ السلام کی طرف جم کر رہ گئیں۔ غم و اندوہ کا ایک ہالہ سا ان کے درخشاں چہرے پر موجود تھا۔

حسین علیہ السلام کے غمزدہ چہرے کو دیکھ کر سب متاثر اور غمزدہ ہو گئے۔ شاید سب سے زیادہ متاثر ان کے بیٹے علی اکبرؑ ہوئے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا کہ وہ آگے بڑھے اور یہ عرض کی کہ:

"بابا آپ نے لاحول کیوں پڑھی ہے؟"

حسین علیہ السلام نے گہری نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور کہا:

"میرے بیٹے!! ابھی ابھی میں خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک سوار کو اپنے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے آپ سے یہ کہہ رہا تھا:

"یہ قافلہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے۔"

یہاں پر ہم "روح قربانیانِ کربلا" نامی کتاب سے کچھ باتیں نقل کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے زرین ورق ہمیشہ کربلا کی قربانیوں کی عظمت و بزرگی کو ثابت کرتے رہیں گے۔

حسین علیہ السلام کے بیٹے علی اکبرؑ انہیں قربانیوں میں سے ایک ہیں۔

روزِ عاشورا ہم انہیں جنگ کرتا دیکھتے ہیں۔ ایک ایسی جنگ جو ایک انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تعجب انگیز بے باکی اور بہادری کے ساتھ دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں اور اپنے بدن کو تلواروں اور نیزوں کا نشانہ بننے دیتے ہیں گویا خوف اور ڈر ان کی زندگی کی لغت میں موجود ہی نہیں۔ جبھی تو اس طرح لاپرواہی سے موت کا استقبال کرتے ہیں۔ ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ آخر کار موت کے سامنے پہنچ کر وہ مسکرا دیتے ہیں اور موت کی سرد آغوش میں چلے جاتے ہیں، عاشوراء کی قربانیاں اس طرح کیوں تھیں؟

اتنی ہمت، شجاعت اور بے باکی کہاں سے ان میں پیدا ہو گئی تھی؟ وہ کیا سبب

تھا کہ جس نے ان انسانوں کو زندۂ جاوید مجاہد بنادیا تھا اور انہیں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا تھا؟

اس سبب کا ایک جملے میں خلاصہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ:

وہ اپنے ہدف پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کو یہ ایمان تھا کہ وہ حق و فضیلت کے راستے میں قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔

یہ بات علی اکبرؑ کی اپنے والد ماجد سے گفتگو سے نمایاں ہو جاتی ہے۔

حسین علیہ السلام نے فرمایا:

میرے بیٹے!

خواب میں ندا دینے والے نے کچھ اس طرح ندا دی تھی:

"یہ قافلہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے"

علی اکبرؑ نے جب باپ کا یہ سخن سنا تو ایک عجیب جملہ کہا۔

انہوں نے کہا:

"بابا!"

"او لسنا علی الحق"

"بابا کیا ہم حق پر نہیں؟"

حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"کیوں نہیں میرے بیٹے"

پھر علی اکبرؑ نے کہا:

"ایسی صورت میں ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں۔"

ان کی دلیرانہ جنگ میں ان کا سہارا حق پر ایمان تھا۔ انہیں اطمینان تھا کہ خدا

کے لئے اور خدا کے نام پر تلوار چلا رہے ہیں۔ یہ اطمینان انہیں طاقت بخشتا تھا جرات اور جسارت عطا کرتا تھا۔ اسی ایمان کے مقدّس سرمائے کی بدولت وہ عاشورا کی عظیم جنگ کامیابی سے لڑ سکے اور اسی وجہ سے یزید کی ظالم حکومت پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

بہرصورت وہ قافلہ اسی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ سب کو انتظار تھا کہ کوفہ سے قاصد پہنچے اور صورتِ حال سب کے لئے واضح ہو جائے۔

کوفہ سے ایک تازہ خبر

وہ "عذیب ہجانات" نامی پانی کے چشموں کے نزدیک تھے۔ یہ چشمے عرب کے بیابانوں میں سفر کرنے والوں کے لئے ایک منزل کا کام دیتے تھے۔ دونوں لشکروں نے وہاں قیام کیا۔

اگرچہ حسین علیہ السلام پر ہر بات روشن ہو گئی تھی۔ بلکہ وہ بہت پہلے سے اپنے مستقبل اور انجام سے واقف تھے۔ لیکن ان کے ساتھیوں کی فکر کم و بیش مختلف تھی۔ بعض لوگوں نے کسی اور ہی امید میں اس راہ میں قدم رکھا تھا دولت اور عہدہ ملنے کی امید میں۔ اس امید میں کہ حسین علیہ السلام یزید سے مقابلہ کریں گے۔ کوفہ کے لوگ بھی ان کی مدد کریں گے۔ آخر کوفیوں کے بارہ ہزار خط آئے ہیں اور انھوں نے حسین علیہ السلام کو دعوت دی ہے۔ پس کوفیوں کی مدد سے آخر کار حسین علیہ السلام اموی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے اور تختِ خلافت اور مسندِ حکومت سنبھال لیں گے۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو فراموش نہیں کریں گے اور اس کپڑے سے ایک ٹوپی انھیں بھی بنا کر دیں گے۔

حسین علیہ السلام کے بعض ساتھی اس قسم کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے اس لئے حسین علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ وہ ایسے لوگوں کو حقائق سے آگاہ کر دیں اور اپنے ساتھیوں میں مناسب چھانٹی کر دیں تاکہ صرف وہ لوگ باقی رہیں جو علی اکبرؑ کی طرح حق و فضیلت کے علاوہ اور کوئی ہدف اور غرض نہیں رکھتے۔ حسین علیہ السلام نے اس چھانٹی کے لئے کئی دفعہ اقدام کیا اور اس قسم کے افراد کو عاشورا کے مقدس معرکہ سے دور رکھا۔

بہرحال اس وقت سو فیصد چھانٹی نہیں ہوئی تھی۔ حسین علیہ السلام کے بعض ساتھی ویسی امیدیں ابھی تک رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کی نگاہیں ہمیشہ افق پر لگی رہتی تھیں وہ اس انتظار میں لگے رہتے تھے کہ کوفہ کے لوگ حسین علیہ السلام تک پہنچیں گے اور ایک بہت بڑا لشکر حمایت میں فراہم ہو جائے گا۔

آخر خود کوفیوں نے ہی تو حسین علیہ السلام کو دعوت دی ہے۔ آخر خود انہوں نے ہی تو حسین علیہ السلام کو اپنی رہبری کے لئے چنا ہے تاکہ وہ اموی حکومت کے خلاف ان کی رہبری میں انقلاب برپا کر سکیں۔

پس جیسے ہی انھیں اطلاع ملے گی کہ حسین علیہ السلام ان کے قریب پہنچ چکے ہیں وہ ان کی طرف دوڑے چلے آئیں گے اور ان کی صفوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اس خیال سے حسین علیہ السلام کے بعض ساتھیوں کی نگاہیں افق پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس امید میں تھے کہ کوفی لوگ ان تک پہنچ جائیں گے اور جلد از جلد حسین علیہ السلام کا ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو جائے گا۔ آخر کار افق پر کچھ سیاہ ہیولے نظر آئے کچھ دھندلا سا گرد و غبار نظر آ رہا تھا۔ رفتہ رفتہ

گردو غبار نزدیک آگیا۔

سب کا خیال تھا کہ یا تو حر کے لئے مزید فوج فراہم کی گئی ہے یا پھر حسین علیہ السلام کی آمد کی اطلاع پا کر کوفہ کے لوگ ان کی مدد کے لئے آ رہے ہیں۔

لیکن سب کی توقع کے برخلاف اونٹوں پر سوار صرف چار آدمی گردو غبار سے برآمد ہوئے۔ ان کا رخ حسین علیہ السلام کے خیموں کی طرف تھا۔

حر کے سپاہیوں نے ان کا راستہ روک لیا اور انہیں حسین علیہ السلام کی طرف جانے نہ دیا۔

یہ خبر حسین علیہ السلام کے پاس پہنچی۔ انھوں نے حر کو پیغام بھجوایا کہ "اگر ان کو روکو گے تو میں مجبوراً تم سے جنگ کروں گا۔ کیونکہ وہ میرے مہمان ہیں۔ میرے پاس آنا چاہتے ہیں۔ میں جس طرح اپنے دوستوں کی طرف سے دفاع کر رہا ہوں اسی طرح ان کا بھی دفاع کروں گا۔"

حر نے امام کا قطعی فیصلہ سنا وہ حسین ابن علی علیہ السلام سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مزاحمت ترک کرنے کا حکم صادر کردیا۔

وہ مہمان حسین ابن علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ ان میں سے ایک "طرماح ابن عدی" تھے۔

حسین علیہ السلام نے ان سے کوفہ کے حالات پوچھے۔ انھوں نے جواب میں کچھ اس طرح کہنا شروع کیا:

"میں نے جو کچھ دیکھا وہ یہ ہے کہ کوفہ کے لوگوں کے دل تو آپ کی طرف مائل ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف اٹھی ہوئی ہیں۔ عبیداللہ ابن زیاد نے سرداروں اور دیگر بڑے بڑے لوگوں کو پیسے سے خرید لیا ہے۔ بہرحال

لالچ اور ہمکیوں کے ذریعے اس نے سب کو آپ کے خلاف کر دیا ہے ابھی کوفہ میں ایک انقلاب سا برپا ہے۔ لیکن یہ انقلاب آپ کی مخالفت میں ہے"

پھر انہوں نے اضافہ کیا کہ :

"اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! میں آپ کے ساتھیوں کی تعداد بہت کم دیکھ رہا ہوں۔ جب کہ میں نے کوفہ کے دروازوں کے پیچھے بے شمار سپاہیوں کو دیکھا ہے جو آپ سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ کوفہ کے نزدیک نہ جائیں۔ بہتر ہے کہ کوہ "اجاء" کی طرف چلے جائیں جو کہ قبیلہ "بنی طی" کا ٹھکانہ ہے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ "بنی طی" قبیلہ سے ہزاروں مسلح سپاہی آپ کی مدد کے لئے فراہم کردوں گا۔"

لیکن حسین علیہ السلام نے طرماح کی یہ پیش کش قبول نہ کی۔ مجبوراً انہوں نے حسین علیہ السلام سے اجازت لی تاکہ وہ اپنے قبیلے میں جائیں' اپنا سامان منزل تک پہنچائیں اور پھر دوبارہ حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے لوٹ آئیں۔ حسین علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی۔

کربلا میں آمد

پھر اسی طرح حسینی قافلہ ایک نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ حسین علیہ السلام کی کوشش تھی کہ کوفہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جائیں لیکن جیسے ہی وہ اپنا راستہ کوفہ کی مخالف سمت موڑنا چاہتے۔ حر اور اس کے سپاہی انہیں روک لیتے تھے لیکن اب کی دفعہ حسین علیہ السلام نے کچھ زیادہ ہی زور لگا دیا تھا۔ اتنا اصرار دیکھ کر حر نے راستہ دے دیا لیکن اسی لمحہ کوفہ کی سمت والے

افق پر ایک اونٹ سوار نمایاں ہوا۔ دونوں لشکر رک گئے اور انتظار کرنے لگے تاکہ وہ پہنچ جائے شاید کوفہ سے کوئی تازہ خبر اس کے پاس ہو۔

وہ تیزی سے آ رہا تھا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ ان تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنا رخ حر کی طرف کرلیا۔ وہ "مالک ابن بشر کندی" تھا اور ابن زیاد کی طرف سے حر کے لئے خط لایا تھا۔

ابن زیاد کے خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

"اے حر! جس جگہ بھی تجھے یہ خط پہنچے اسی جگہ حسینؑ کو سختی کے ساتھ روک لے اور جانے نہ دے۔ اس کو کسی بے آب و دانہ زمین پر اترنے پر مجبور کر دے۔ اس خط کے قاصد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا آنکھوں دیکھا حال مجھے بتائے۔"

حر نے مجبوراً حسین ابن علی علیہ السلام سے متعلق اپنے پروگرام میں تبدیلی کی اور ان سے بہت اصرار کیا کہ وہ یہیں پر (جو کہ ایک خشک اور بے آب سرزمین تھی اتر جائیں لیکن حسین ابن علی علیہ السلام راضی نہ ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آبادی سے نزدیک "نینوا" یا "غاضریہ" نامی بستی میں چلے جائیں لیکن حر نے موافقت نہ کی۔

"زہیر ابن قین بجلی" نے ذرا اور نزدیک جگہ ٹھہرنے کی تجویز پیش کی یہ جگہ دریائے فرات کے کنارے تھی۔

حسین علیہ السلام نے اس جگہ کا نام پوچھا۔

انہیں بتایا گیا کہ اس سرزمین کا نام "کربلا" ہے۔

حسین علیہ السلام نے کربلا کا نام سنا۔ ایک گہری سوچ میں پڑ گئے۔ گویا

اپنے ذہن میں یادوں کی کتاب کے ورق پلٹ رہے ہوں۔ گویا "کربلا" کے نام سے آشنا ہوں۔

ہاں یہ وہی سرزمین ہے جس کی بہت پہلے مجھے اطلاع دی گئی تھی۔

ہمیں اس سرزمین پر ٹھہرنا ہے۔

سرزمین "کربلا" پر۔

اس طرح حسین ابن علی علیہ السلام اور ان کے اہل بیتِ کرام پہلی یا دوسری محرم ۶۱ھ کو سرزمینِ کربلا پہنچے۔

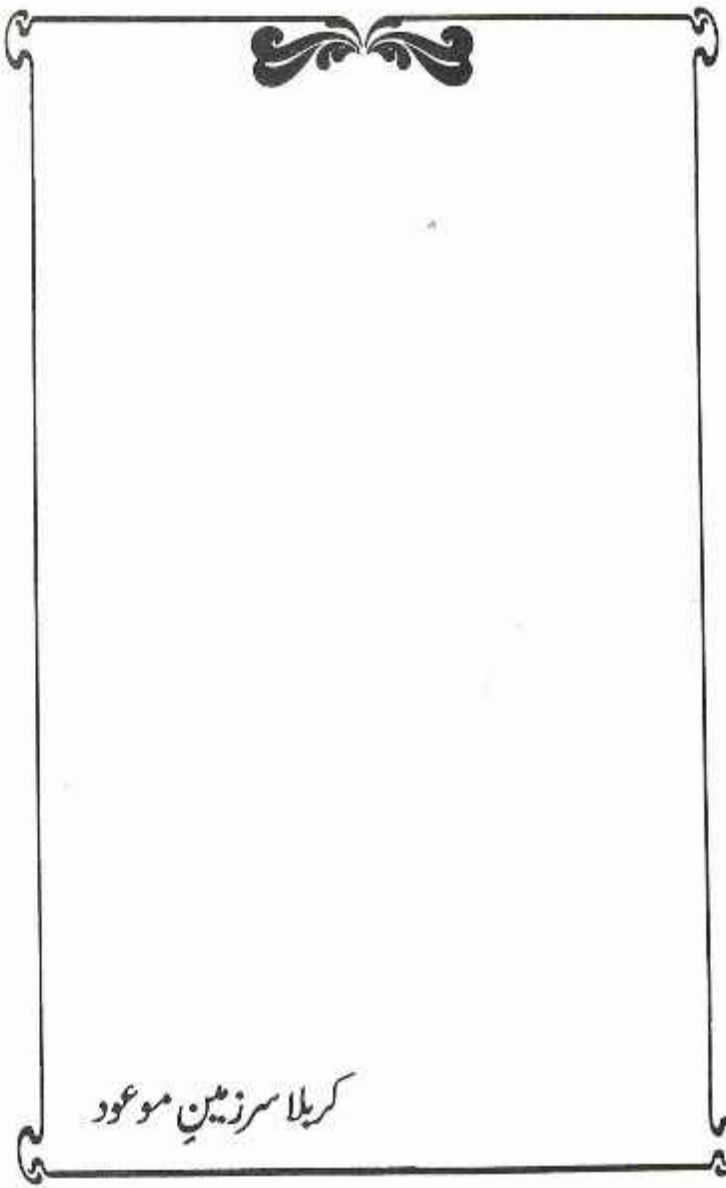
کربلا سرزمینِ موعود

حر کا استعفا

کتاب "دلیرانِ کربلا" کے مطابق اس وقت کی سرزمینِ کربلا جغرافیائی طور پر کچھ اس طرح تھی۔

" کربلا ایک ایسی سرزمین ہے جو شہر کوفہ اور "نینوا" نامی بستی کے اطراف میں واقع ہے۔ خشک اور ریگستانی علاقہ ہے۔ نینوا کسی زمانے میں سلاطینِ آشور کا دار السلطنت رہ چکی ہے اور اس کا شمار مشرق کے متمدن شہروں میں رہا ہے۔ بلکہ اسے تمدن کا گہوارہ بھی کہا جاسکتا تھا۔

لکھتے ہیں کہ کربلا کو اس لئے کربلا کہتے ہیں کہ یہاں پر "کربلا" نامی گھاس زیادہ اگتی ہے۔ یا اس لئے اسے کربلا کہتے ہیں کہ یہاں کی زمین بنجر ہے۔ اس کے علاوہ اس جگہ کا نام "طف" بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ طف ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جہاں نہر سے بھی پانی نہ پہنچے۔

اس سرزمین سے کچھ فاصلے پر مشرق کی طرف دریائے فرات ہے۔ جس کا پانی نرمی سے اور کبھی کبھی کف بناتا ہوا میلوں تک چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ "دجلہ" سے مل جاتا ہے پھر یہ دونوں دریا مل کر آخر کار خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ سرزمینِ کربلا پر دریائے فرات سے ایک نہر نکلتی ہے جس کا نام "علقمہ"

ہے اور جو دریا کی بالکل عمود میں ہے۔ اس نہر سے مزید چھوٹی چھوٹی پانی کی نالیاں نکلتی ہیں۔

کربلا کی ہوا گرم ہے یہاں کھیتی باڑی بہت ہی کم ہے' دریائے فرات کے اطراف میں تھوڑی بہت چاول کی فصل ہے اور دریائے فرات کے پانی کے ٹھہراؤ کی وجہ سے یہاں کی چاول کی فصل میں مچھر بہت پیدا ہوتے ہیں۔"

کربلا کی یہ تعریف اسی زمانے کی ہے جس زمانے سے یہ داستان مربوط ہے۔ عاشور کے حادثے کی داستان۔

قسمت کا یہی فیصلہ ہے کہ یہ خشک اور گرم سرزمین تاریخ کے صفحات کو رونق بخشے اور آزادی کے خواہاں لوگوں کے لئے ایک پر کشش قطب کی حیثیت اختیار کرے۔

اس سرزمین کے دامن میں ایک عظیم حادثہ چھپا ہوا تھا۔ اس حادثہ کے مرکزی کردار کا نام حسین علیہ السلام ہے جو آزادی کے دلدادہ لوگوں کا اور شہیدوں کا سرور و سالار ہے۔

یہ حادثہ محرم ۶۱ھ کے ابتدائی دنوں ہی سے شروع ہو گیا جب حسین ابن علی علیہ السلام یہاں وارد ہوئے۔ دسویں محرم کو جس کا نام ہمیشہ کے لئے "عاشورہ" پڑ گیا ہے' یہ حادثہ ختم ہو جاتا ہے۔

جب حسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیت اور اصحابِ کرام کربلا میں وارد ہوئے تو "حر ابن یزید ریاحی" کی کمان میں ایک ہزار سپاہی بھی ان کے ساتھ زمینِ کربلا پر اتر گئے۔

یہ وہی سپاہی تھے جنہیں والیٔ کوفہ ابن زیاد نے یزید کے حکم کی تعمیل میں

حسین علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔

اسی ایک ہزار آدمیوں کی فوج نے حسین ابن علی علیہ السلام کو ایسے راستے پر چلنے پر مجبور کیا تھا کہ جو اب کربلا پر آکر ختم ہوا تھا۔

اب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے موجود ہیں۔ ایک حسین ابن علی علیہ السلام کی سرکردگی میں ہے اور ایک "حر ابن یزید" کی کمان میں۔ حسین ابن علی علیہ السلام کی جب تک "حر" سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی اس وقت تک وہ مکمل طور پر آزاد تھے۔ جس طرف کا بھی ارادہ کرتے جاسکتے تھی۔ جس منزل پر چاہتے رک جاتے تھے لیکن حر سے مڈبھیڑ کے بعد حسینؑ اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ "حر" کو ابن زیاد کی طرف سے حکم ملا تھا کہ حسین علیہ السلام کا راستہ بند کردیا جائے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ یا تو وہ یزید کی بیعت کرلیں اور یزید کی حکومت کو تسلیم کرلیں یا پھر ابن زیاد کے پاس انہیں لے جایا جائے تاکہ وہ خود ان کے ساتھ جو چاہے سو کرے۔

ظاہر ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام کی فکر ان دونوں تجویزوں کی بالکل مخالفت میں تھی۔ حسین ابن علی علیہ السلام یزید کی ظالم حکومت کو تسلیم نہیں کرسکتے تھے۔ وہ یزید کے مقرر کئے ہوئے کوفہ کے والی ابن زیاد کے پاس بھی نہیں جاسکتے تھے تاکہ ابن زیاد کی ہر بات تسلیم کرلیں۔

اس لحاظ سے محسوس یہی ہو رہا تھا کہ جنگ ضرور ہوگی لیکن "حر" اگرچہ کہ ابن زیاد کے لئے کام کررہے تھے لیکن پھر بھی وہ ایسے نہیں تھے کہ حسین ابن علی علیہ السلام پر تلوار تان لیں اور ان سے جنگ کرنا شروع کردیں۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ ان کے اور حسین علیہ السلام کے درمیان کوئی بھی فوجی

جھڑپ نہ ہونے پائے۔ ضمنی طور پر ان کو یہ امید تھی کہ آخر کار کام کچھ ایسے طریقے سے انجام پاجائے گا کہ دونوں طرف کے لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہوگا اور صلح ہوجائی گی اور اس طرح دخترِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیٹے سے جنگ کا بار ان کے سر پر نہیں آئے گا۔

حر خود کو ایک عجیب دوراہے پر کھڑا دیکھ رہے تھے۔ وہ حسین ابن علی علیہ السلام کو بخوبی پہچانتے تھے۔ وہ ان کے فضائل اور اعلیٰ اخلاق سے باخبر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حسین علیہ السلام راہِ خدا کے علاوہ اور کسی کے لئے کام نہیں کرتے اور ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جس کی تربیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور علی علیہ السلام کے پاک دامن میں ہوئی ہے۔ ان کی روح الٰہی فیوض کے منبع اور چشمے سے سیراب ہوئی ہے' ان سے جنگ' خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جنگ ہے۔ واقعی اگر ابن زیاد' حسینؑ سے جنگ کرنے کو کہے تو انہیں کیا کرنا چاہیے؟

کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے پر تلوار کھینچ لیں اور خود کو بدبختی کا شکار کرلیں۔ یا پھر اس ذمہ داری ہی سے استعفا دے دیں اور اس بدنامی اور بدبختی سے بچ جائیں جو ابھی ان کے سر پر منڈلا رہی ہے۔

حُر کا دل اتنا پاک ضرور تھا کہ وہ رذالت کی راہ کو فضیلت کی راہ پر ترجیح نہیں دے پا رہے تھے۔

اس وقت حُر اپنی فکروں میں گم حیران و پریشان تھے۔ آخر کار انھوں نے فیصلہ کرلیا۔ ایک خط لکھا اور اسے ایک تیز قاصد کے ذریعے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس خط میں حر نے حسین علیہ السلام کے ساتھ اپنی مڈبھیڑ کے بارے

میں رپورٹ لکھی اور پھر کچھ اس طرح لکھا:

"ابھی حسین ابن علی علیہ السلام اپنے خاندان کے ہمراہ کربلا میں ہیں۔ اگر تو ان سے جنگ کرنا چاہتا ہے تو مجھ میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں ہے کہ میں ان سے جنگ پر تل جاؤں۔"

حر نے اپنا خط مکمل کیا اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ جیسے ایک بہت بڑا بوجھ ان کے سر سے ہٹ گیا ہے۔ انھوں نے صراحت سے بتا دیا تھا کہ وہ حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے اگر ابن زیاد جنگ کا ارادہ کرے تو اسے پہلے ان کا استعفا منظور کرنا ہوگا اور ان کی جگہ کسی اور کو سپہ سالار مقرر کرنا ہوگا۔

عمر سعد' نیا سپہ سالار

حر کا خط ابن زیاد تک پہنچا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد کو اندازہ ہوا کہ حسین ابن علی علیہ السلام سے جنگ کرنا حر ابن یزید ریاحی کے بس کی بات نہیں ہے کسی اور کو سپہ سالار بنانا چاہیے۔ ایک ایسا سپہ سالار کہ جس کی قوم میں تھوڑی بہت قدرومنزلت بھی ہو۔ اس نے حافظہ کی کتاب کی ورق گردانی کی۔ سرداروں میں سے ایک ایک کا نام اپنے ذہن میں لایا۔ ہر ایک کے بارے میں غور کیا لیکن کوئی بھی اسے پسند نہیں آیا۔

یہاں تک کہ "عمر سعد" کے بارے میں غور کیا۔ اس کے بارے میں غور کرنے میں کچھ زیادہ ہی وقت لگ گیا۔

وہ فاتح "مدائن" سعد ابن وقاص کا بیٹا ہے۔ اس کا باپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی رہ چکا ہے۔ اس کا باپ حضرت عمر کے زمانے میں

لشکر اسلام کا سپہ سالار رہ چکا ہے۔ ایران سے جنگ لڑنا اسی کے ذمہ تھا۔ خود عمر سعد ظاہری طور پر نیک اور پارسا مشہور ہے۔ معاشرہ میں اس کی قدر و منزلت بھی کافی ہے اگر وہ اس ذمہ داری کو قبول کرلے اور حسینؑ سے جنگ کے لئے لشکر کا سپہ سالار بن جائے تو یقیناً کام ہوجائے۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ابن سعد اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے کہیں انکار نہ کردے۔

ابن زیاد گہری سوچ میں پڑ گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح عمر ابن سعد کو یہ ذمہ داری قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

یہاں پر ایک نفسیاتی بات کی طرف اشارہ کردینا مناسب ہے۔

اس بات میں کوئی شک اور تردید نہیں ہے کہ لوگوں میں نفسیاتی اور فطری اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت فرق پایا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کے افکار اور عقائد اتنے پکے ہوتے ہیں کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے افکار اور عقائد سے منحرف نہیں ہوسکتے ـــــ جب بھی کسی بات پر انھیں یقین حاصل ہوجائے تو وہ جان دے دینے کی حد تک اپنے عقیدہ اور اپنے نظریئے کا دفاع کرتے ہیں۔ ان کی روح میں کوئی کمزوری نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کو ان کے ہدف اور راستہ سے منحرف کیا ہی نہیں جاسکتا ہے۔ نہ وہ جاہ ومقام کے دلدادہ ہوتے ہیں اور نہ ہی دولت ان کی کمزوری ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے دل میں موت کا خوف پیدا ہوتا ہے۔

اس قسم کے افراد کو انبیاءؑ اور ائمہؑ کی صف میں تلاش کرنا چاہیے۔ حسین ابن علی علیہ السلام اس قسم کے افراد ہی میں سے ایک عمدہ نمونہ ہیں۔

لیکن اکثر لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان کی کمزوریوں کو پہچان لے تو ان کے ذریعے انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔

یہ کمزوریاں مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کی کمزوری اعلیٰ عہدہ اور مقام ہے۔ جہاں پر بھی مقام، عہدے اور کرسی کی بات بیچ میں آتی ہے وہ اس کے لئے ہر چیز حتیٰ کہ اپنے عقیدہ اور ایمان کو بھی فراموش کر دیتے ہیں اور اس عہدے تک پہنچنے کے لئے وہ ہر جرم اور گناہ کے مرتکب ہونے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

بعض لوگ پیسے اور دولت کو اپنا دل دے بیٹھتے ہیں، سونے چاندی کا درخشاں چہرہ انہیں ان کی اصل ذمہ داری سے روک دیتا ہے۔

بعض لوگ عورت کے حسن و جمال کے شیدا ہوتے ہیں ممکن ہے کہ انہیں دولت اور حکومت اور عہدے کا لالچ دے کر منحرف نہیں کیا جاسکے لیکن جب بھی وہ کسی حسینہ کی زلف کے سامنے ہوتے ہیں تو اتنے عاشق ہوجاتے ہیں کہ باقی سب چیز بھول جاتے ہیں اور اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ انسانیت کو بھی نظرانداز کرجاتے ہیں۔

ابنِ زیاد نے عمر سعد کی روح کی کتاب کی ورق گردانی شروع کی۔ وہ ابنِ سعد کی کمزوری معلوم کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کمزوری پر انگلی رکھ کر وہ ابنِ سعد کو اپنے آگے جھکادے اور حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے اسے راضی کرلے۔

عمر سعد کی کمزوری حکومت اور فرماں روائی تھی۔ جہاں پر بھی حکومت اور

جاہ و مقام کی بات ہوتی تھی وہ اپنا دین بھی اپنے دل کے ساتھ دے دیتا تھا۔ سالہا سال سے اس کے دل میں حکومت کرنے کا ارمان پل رہا تھا اس کی نظر میں اقتدار سے زیادہ خوبصورت اور کوئی پرندہ نہیں تھا۔ وہ اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ ابھی چند ہی روز پہلے اس کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہونے کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ اس کو حکومتِ رے کو سنبھالنے کا پروانہ مل گیا تھا۔ اب وہ رے جانے کی تیاریاں کررہا تھا۔ وہ سب باتوں سے بے خبر اپنی دھن میں اپنی آرزو پوری ہوتی دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ابنِ زیاد اس کو پھانسنے کے لئے کیا خطرناک چال چلنے والا ہے۔

ابنِ زیاد کو جب عمر سعد کی یہ کمزوری معلوم ہوئی تو اس کا چہرہ کِھل اٹھا ایک شیطانی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

غلام کو آواز دی اور پوچھا: "ابن سعد کہاں ہے؟ آیا کوفہ میں ہے یا رے چلا گیا ہے؟"

غلام نے جواب میں کہا: "مجھے نہیں معلوم۔ شاید نکل چکے ہیں۔"

ابن زیاد نے کہا: "وہ جہاں بھی ہو اسے حاضر کیا جائے۔ مجھے اس سے ایک ضروری کام ہے۔ اگر وہ نکل بھی چکا ہے تو بھی واپس بلایا جائے"

ابنِ زیاد کے آدمیوں نے تیزی سے "ابن سعد" کی تلاش شروع کردی۔ آخر کار اسے "نخیلہ" کے مقام پر جالیا۔ ابھی وہ وہاں سے آگے بڑھنے کی تیاریاں کررہا تھا۔

اس سے کہا گیا کہ: "امیر نے آپ کو اپنی خدمت میں طلب کیا ہے"۔

ابن سعد نے تعجب سے پوچھا: "امیر کو مجھ سے کیا کام ہے ؟!" جواب دیا

گیا: "ہمیں نہیں معلوم۔"

بہر صورت وہ واپس دار الامارہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ ابنِ زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کا انتہائی گرمجوشی اور محبت سے استقبال کررہا ہے۔ ابنِ زیاد نے اسے اپنے برابر بٹھا لیا اور کچھ اس طرح بات شروع کی:

"ابنِ سعد! جانتے ہو کہ بات کہاں تک بڑھ چکی ہے"

ابنِ سعد: کونسی بات؟

ابنِ زیاد: حسینؑ سے جنگ کی بات۔

ابنِ سعد: نہیں، میں نہیں جانتا۔

ابنِ زیاد: وہ سرزمینِ کربلا پر پہنچ چکا ہے اور اس کے سامنے ہمارے سپاہیوں کا لشکر ہے۔ ہمیں جلد از جلد حسین ابنِ علیؑ کے مسئلہ کو جس طرح بھی ہو ختم کردینا ہے۔ یقیناً وہ ہماری بات نہیں مانے گا۔ ہم کو مجبوراً اس سے جنگ کرنا ہوگی۔

ابنِ سعد: جنگ! حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ؟!!

ابنِ زیاد: ہاں، اور صرف یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ جلد از جلد ہمیں یہ کام شروع کرنا ہے اور ختم کرنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حسینؑ کے عراق اور کربلا پہنچنے کی خبر عرب قبائل تک پہنچ جائے اور وہ اس کی حمایت میں نکل کھڑے ہوں اور اس کی فوج میں شامل ہوجائیں۔ اس وقت اس مسئلہ کو حل کرنا مشکل ہوگا۔ جلد از جلد کام شروع کرنا چاہیے اور اسے جلدی سے ختم کردینا چاہیے۔

ابن سعد : خوب، تو ان مسائل کا مجھ سے کیا ربط ہے کہ آپ نے اتنی عجلت کے ساتھ مجھے حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا؟!

ابن زیاد: میں نے اس سلسلے میں بہت سوچا کہ حسینؑ سے جنگ کے لئے سپہ سالار کسے بنایا جائے۔ آخر کار میں نے تم سے زیادہ لائق اور تم سے زیادہ اہل اور کسی کو نہیں پایا۔ اس لئے میں یہ ذمہ داری تمہیں سونپ رہا ہوں۔ پہلے کربلا چلے جاؤ۔ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد اپنی حکومت کے علاقہ رے کی طرف کوچ کرو۔

ابن سعد نے جواب میں کہا:

"مجھے اس کام سے معذور سمجھئے۔ میں دخترِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ مجھے معاف کیجئے میں ابھی رے جارہا ہوں اور کسی طرح بھی میں جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔"

ابن زیاد کے لئے یہ صاف اور کھرا جواب غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ابن سعد آسانی سے اتنی بڑی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔

لیکن وہ پہلے سے اس بات کے لئے تیار تھا۔ اسے ابن سعد کی کمزوری معلوم تھی۔

اس لئے اس نے سخت اور کھرے لہجے میں کہا:

"کوئی بات نہیں لیکن ایسی صورت میں رے کی حکومت کا پروانہ مجھے واپس لوٹادو۔ کیونکہ یہ پروانہ اسی کو ملے گا جو حسین ابن علیؑ سے جنگ کرے۔"

ابن زیاد خاموش ہوگیا لیکن اسکے آخری جملے نے ابن سعد کی روح کو لرزا

دیا۔ ابنِ سعد نے خود کو ایک عجیب دوراہے پر کھڑا دیکھا۔ ایک طرف رے کی حکومت اسکی واحد آرزو ہے تو دوسری طرف حسین علیہ السلام سے جنگ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

ابن سعد نے دیکھا کہ ایک راستہ جنت کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ جہنم کی طرف۔ حسین علیہ السلام سے جنگ کرنا بدبختی اور گمراہی ہے' جس کے نتیجہ میں عذابِ الٰہی ہے۔

اور دوسری طرف حکومتِ رے سے چشم پوشی اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کا دل اقتدار کی ہوس میں اتنا گرفتار تھا کہ وہ اتنی جلدی فیصلہ نہ کرسکا۔

اس لئے اس نے ابن زیاد سے کہا کہ وہ اسے ایک مہینہ کی مہلت دے دے۔ ابن زیاد نے ایک زبردست قہقہہ مارا اور کہا:

"ایک مہینہ !! نہیں' یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے"۔

ابنِ سعد نے کہا: ایک ہفتہ؟!"

اس نے پھر کہا: "نہیں۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ مہلت بھی بہت زیادہ ہے۔ پھر اس نے اضافہ کیا کہ:

"میں تمہیں فقط آج رات تک کی مہلت دے رہا ہوں تاکہ رات بھر میں تم کوئی فیصلہ کرسکو۔"

ابن سعد دربار سے نکلا۔ اپنے گھر گیا۔ رات بھر اسی فکر میں مبتلا رہا کہ آیا حکومت "رے" کو ہاتھ سے جانے دے یا حسین علیہ السلام سے جنگ کرے۔ آخرکار اقتدار کی ہوس پر اس کا ضمیر غالب نہ آسکا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ

کچھ بھی ہو حکومتِ "رے" اس کے ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

صبح ہوئی وہ دار الامارہ کی طرف نکلا۔ ابن زیاد کے پاس پہنچا اور حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کی اتنی بڑی ذمہ داری کو قبول کرلیا۔

ابنِ زیاد مطمئن ہوگیا۔ اس نے فوراً اقدام کرنا شروع کیا اور جنگجو سپاہیوں کا لشکر آمادہ کرنے کا حکم دیا۔

ایسے سپاہیوں کا لشکر جو حسین ابن علی علیہ السلام کو پسپا کرسکے اور یزید کی حکومت کو بچانے کے لئے ایک مضبوط رکاوٹ کا کام دے سکے۔

ابن زیاد نے اس کے اختیار میں بے شمار سپاہی دے دیئے اور حکم دیا کہ جلد از جلد کربلا کی طرف کوچ کیا جائے۔

تاریخ کی بعض کتابوں کے مطابق ابن سعد چھ محرم کو چار یا چھ ہزار سواروں کا لشکر لے کر کوفہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوا۔

ابن زیاد نے بھی اسے اطمینان دلایا کہ وہ مزید سپاہیوں کو بھیج دے گا تاکہ حسین ابن علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دی جاسکے۔

حر ابن یزید ریاحی اپنے اس خط کے جواب کے منتظر تھے جو انہوں نے چند روز قبل ابن زیاد کے پاس بھیجا تھا اور اس میں صاف صاف حسین علیہ السلام سے جنگ لڑنے کے کام سے اپنا استعفیٰ پیش کیا تھا۔

لیکن اس خط کے جواب کے بجائے عمر سعد چار یا چھ ہزار آدمیوں کے لشکر سمیت کربلا میں وارد ہوا اور ابن زیاد کے حکم کے مطابق تمام لشکر کی سپہ سالاری اپنے ذمہ لے لی۔

جیسے ہی ابن سعد سرزمینِ کربلا پہنچا اس نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ

فوج کے بڑے بڑے افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کرنے لگا۔ اس میٹنگ میں یہ طے ہوا کہ ایک آدمی کو حسین ابن علی علیہ السلام کے پاس بھیجنا چاہیے اور ان سے پوچھنا چاہیے کہ وہ کوفہ کی طرف کیوں آئے ہیں۔

یہ ذمہ داری "عروہ ابن قیس احمسی" نام کے شخص کو سونپی گئی۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ حسین ابن علی علیہ السلام کے خیموں کی طرف جائے اور ان سے پوچھے کہ وہ کوفہ کی طرف کیوں آئے ہیں۔

لیکن "عروہ" نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ کسی اور کو اس کی جگہ بھیج دیا جائے ابن سعد نے جب اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"خود میں بھی حسین علیہ السلام کو دعوت دینے والوں میں شامل تھا۔ خود میں نے حسین ابن علی علیہ السلام کو خط لکھا تھا اور ان سے خواہش کی تھی کہ کوفہ تشریف لے آئیے۔ اس لحاظ سے کس طرح میں ان سے یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے کیوں یہ سفر اختیار کیا۔ میں تو اپنی شکل بھی حضرت کو دکھانے سے شرم محسوس کر رہا ہوں۔"

ابن سعد نے مجبوراً اس سے صرفِ نظر کی لیکن عجیب بات یہ تھی کہ جس سپاہی یا افسر کو بھی وہ یہ ذمہ داری اٹھانے کو کہتا تھا وہ وہی جواب دیتا تھا جو "عروہ ابن قیس" نے دیا تھا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں شریک ہونے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے خود خط لکھ کر ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔

ابن سعد کے ان سپاہیوں میں ایک پست اور بے شرم قسم کا اور انتہائی

بدزبان شخص بھی تھا اس کا نام "کثیر ابن عبداللہ" تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ کوئی بھی افسر ابن سعد کا پیغام حسین ابن علی علیہ السلام تک پہنچانے کے لئے راضی نہیں ہے تو وہ خود آگے بڑھا اور کہا کہ وہ یہ کام کردے گا۔

لیکن جن کے دل میں حسین علیہ السلام کی قدر و منزلت تھی۔ انہوں نے اسے امام کے پاس جانے نہ دیا۔ اس طرح کثیر اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

آخر کار ابن سعد نے "قرہ ابن قیس" نام کے ایک شخص کو حسین ابن علی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ نہایت ادب سے امام کے پاس حاضر ہوا اور ادب اور احترام کے مراسم انجام دینے کے بعد اس نے ابن سعد کا پیغام ان تک پہنچا دیا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"یہ کوفہ ہی کے لوگ تھے جنھوں نے بہت سے خطوط اور قاصد بھیج کر مجھے بلایا تھا اور مجھے اس سرزمین پر آنے کی دعوت دی تھی۔"

"اگر وہ اپنی دعوت سے پشیمان ہو گئے ہیں اور مجھے اپنے درمیان دیکھنا انھیں گوارا نہیں تو میں تیار ہوں کہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے واپس لوٹ جاؤں۔"

"قرہ ابن قیس" یہ جواب لے کر محضرِ امامؑ سے نکلا۔ ابن سعد کے پاس گیا اور حضرت کا جواب پیش کیا۔

ابن سعد نے حسین ابن علی علیہ السلام کا یہ جواب من و عن ابن زیاد کے نام اپنے خط میں لکھا اور اس سے اپنی ذمہ داری پوچھی، اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ امید بھی تھی کہ معاملہ اسی طرح ختم ہو جائے گا اور حسین ابن

علی علیہ السلام سے جنگ کئے بغیر ہی وہ اپنی رے کی حکومت سنبھالنے چلا جائے گا۔

لیکن ابنِ زیاد کا جواب پہنچا تو امید کا یہ چراغ سب کے دلوں میں بجھ گیا۔ ابن زیاد نے جواب میں شمر کو بہت سے سپاہیوں کے لشکر سمیت بھیج دیا تھا اور ابنِ سعد کو لکھا تھا کہ:

"اگر تو حسین علیہ السلام سے جنگ لڑنے کے لئے آمادہ ہے تو خود سپہ سالار باقی رہ اور شمر کو پیدل فوج کا کمان دار بنا دے۔ اگر تو جنگ پر آمادہ نہیں تو سپہ سالار شمر ہو گا اور تو ایسی صورت میں کنارہ کش ہو جا۔"

یہ خط عمر ابنِ سعد کے مستقبل کو عیاں کر رہا تھا۔ وہ اپنے منصب اور رے کی حکومت کو کھونا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے تمام فوج کی سپہ سالاری اپنے ذمہ رکھی اور شمر سے کہا کہ:

"تو پیدل فوج کی کمان سنبھال۔ اب میں خود حسین علیہ السلام سے جنگ کا آغاز کرتا ہوں۔"

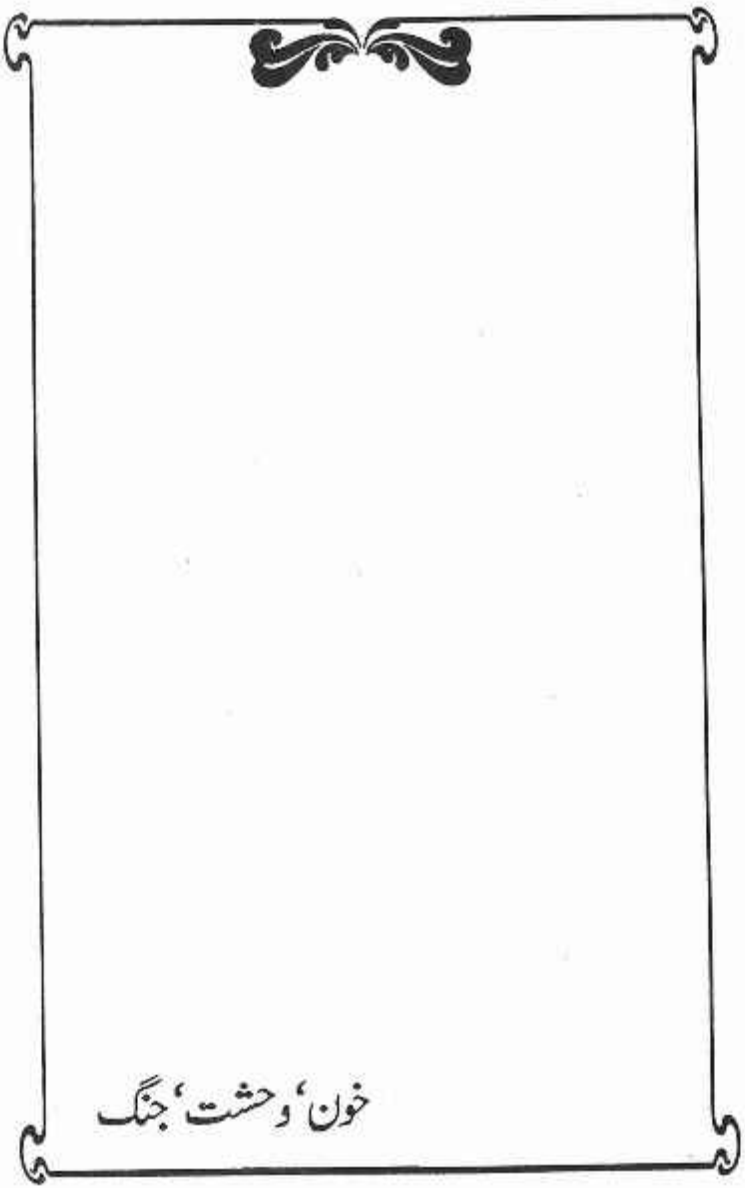
خون، وحشت، جنگ

بیابان پہ وحشت طاری تھی۔ افق خون آلود تھا۔
دو لشکر ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔
ایک حسین علیہ السلام کا لشکر۔
اور ایک ابنِ سعد کا لشکر۔
ایک طرف بہتّر (۷۲) آدمی تھے۔
اور دوسری طرف چھ ہزار کی فوج تھی۔ (تیس ہزار تک بھی بیان کیا گیا ہے)
جنگ سے گریز ممکن نہ تھا۔
ظلم و ستم کی بلا کو خون کی پیاس تھی۔
جنگ کے وحشت انگیز درندے نے اپنا منہ کھول رکھا تھا۔
عنقریب دنیا میں ایک حادثہ رونما ہونے والا تھا۔
ایک دردناک، خون آلود اور تاثیر انگیز حادثہ۔
ایک ایسا حادثہ جس کی حسین علیہ السلام پہلے سے خبر دے چکے تھے۔
انہوں نے بارہا اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ:
"جو بھی میرے ساتھ رہے گا قتل ہو جائے گا۔"

حتیٰ کہ شبِ عاشور بھی انہوں نے اپنے ساتھیوں پر سے بیعت ہٹالی اور کہا:

"کوئی زبردستی نہیں ہے۔ آپ لوگ آزاد ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جو بھی میرے ساتھ رہے گا وہ کل میدانِ کربلا میں قتل ہو جائے گا۔"

لیکن حسین علیہ السلام کے باقی ماندہ ساتھیوں میں سے ہر ایک نے خود کو قربانی کے لئے تیار بتایا اور انتہائی اعلیٰ احساسات اور جذبات کا اظہار کیا۔ انھوں نے ایک بار پھر ظلم و ستم کے خلاف جہاد کے سلسلہ میں اپنے عہد و پیمان کو مضبوط کیا۔

صبحِ عاشورؑ حسین علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کی صف بندی کی اور ان کو مرتب کیا۔

اس وقت کے جنگی اصولوں کے مطابق اپنی کم تعداد والے لشکر کے لئے ایک میمنہ اور ایک میسرہ تیار کیا۔ بعض سپاہیوں کو قلبِ لشکر میں جگہ دی۔ زہیر ابن قین بجلی کو بیس آدمیوں کے ساتھ داہنی میمنہ میں قرار دیا گیا۔ حبیب ابن مظاہر بیس آدمیوں کے ساتھ بائیں طرف میسرہ کے کمانڈر بنے اور خود حسین علیہ السلام باقی سپاہیوں کے ساتھ قلبِ لشکر میں آ گئے جنگ کا پرچم ابو الفضل العباس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ ادھر دشمن کے لشکر میں بھی ابن سعد نے کوفیوں کو اسی ترتیب سے کھڑا کیا۔

دائیں حصے کا کمانڈر "عمرو ابن حجاج" بنا۔ شمر ابن ذی الجوشن بائیں حصے کا کمانڈر بنا۔

جنگ شروع ہونے کو تھی۔

شمر نے اس واقعہ میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

یہ شمر ہی تھا جو کوشش کر رہا تھا کہ یہ غیر انسانی جنگ جلد از جلد شروع ہو جائے اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی اولاد تلواروں سے قتل کر دیئے جائیں۔

اس نے یہاں تک اصرار کیا تھا کہ نو محرم کی عصر کے وقت یعنی عاشورا سے ایک دن پہلے ہی جنگ شروع کر دے۔ اس منحوس شام میں سورج اپنی شعاعوں کو کربلا کے وحشت ناک بیابان سے سمیٹ رہا تھا۔ اور افق کے گوشے میں پناہ لینے جا رہا تھا۔ نو محرم کی مغرب نزدیک تھی۔ شمر چاہتا تھا کہ روشنی کی کمی سے فائدہ اٹھائے اور کام پورا کرلے۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ حسین ابن علی علیہ السلام کے خیموں کی طرف چل پڑا وہ چاہتا تھا کہ اسی نو محرم کی مغرب کے وقت جنگ چھیڑ دے۔ لیکن حسین علیہ السلام نے ایک رات کی مہلت چاہی اور اس طرح جنگ مجبوری کے تحت اگلے دن پر چھوڑ دی گئی۔

سورج نے افق کے پردے سے سر باہر نکالا اوپر آیا اور میدانِ کربلا کو روشن کر دیا۔ دھوپ بہت تیز ہو گئی، سورج مسلسل آگ برسا رہا تھا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدِ مقابل صف آراء تھے۔

جنگ ظاہر ہے کہ کسی ایک طرف سے شروع ہونی تھی لیکن حسین علیہ السلام ایسے نہیں ہیں کہ جنگ خود شروع کریں۔ وہ حق و عدالت کے خواہاں ہیں وہ جنگ اور خونریزی خود سے نہیں چاہتے۔

حسین علیہ السلام کوفی لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے خدا و عدالت اور حق و فضیلت کی باتیں کیں لیکن حسین علیہ السلام کے دل سے نکلی ہوئی ان

باتوں نے کوفی سپاہیوں کے سخت پتھر جیسے دلوں پر کوئی اثر نہیں کیا۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ جنگ کی بلا خون پینا چاہتی تھی شیطان کوفی سپاہیوں پر بری طرح مسلط تھا۔

شیطان نے ان کی آنکھوں کی بصارت اور ان کے کانوں کی سماعت کو گویا چھین لیا تھا۔ وہ نہ حسین علیہ السلام کی بات سن رہے تھے اور نہ اصحابِ حسین علیہ السلام کی بات مان رہے تھے۔ حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کوشش کر رہے تھے کہ شاید ان کی باتوں کے ذریعے وہ راہ راست پر آ جائیں اور ظالموں کا ساتھ دینے سے باز آئیں لیکن ان کوششوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

ابن سعد اپنے سپاہیوں کے درمیان سے نکلا آگے بڑھا اور حسین علیہ السلام کے سپاہیوں کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ پکارا "گواہ رہنا کہ یہ میں تھا کہ جس نے سب سے پہلے حسینؑ کے لشکر پر تیر چلایا" اس طرح ابنِ سعد جنگ کا آغاز کرتا ہے۔

سب سے پہلا تیر خود چلاتا ہے اس کے بعد اس کے سپاہیوں کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔

پہلے ہی حملے میں اصحابِ حسین علیہ السلام کی بڑی تعداد قتل ہو جاتی ہے۔ باقی ساتھی بھی اسی طرح اپنی بہادری کے درخشاں جوہر دکھاتے ہوئے تن بہ تن جنگ میں (ایک کے مقابلے میں ایک ہی آدمی کی جنگ میں) شہادت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں۔

جنگ صبح صبح شروع ہوئی تھی اور دوپہر کے کچھ بعد ختم ہو گئی۔

جنگ ختم ہو گئی لیکن ایک نئے مکتب کا آغاز ہو گیا۔ ایک ایسے مکتب اور

مدرسہ کا جس کے اساتذہ حسینؑ اور اصحابِ حسین علیہ السلام تھے۔

اور جو ایسے دلیر تھے کہ اپنی جان دے دی لیکن ظلم و ستم سے آزاد رہنے کا طریقہ سکھا گئے!

آپ کو شاید توقع تھی کہ اس دن کے بارے میں ذرا کچھ ایسی تفصیل سے بات ہوتی جیسا کہ اس دن کا حق ہے۔

لیکن نہیں، عاشورا کے دن کے واقعات کے لئے کوئی اور موقع اور ایک اور کتاب ضروری ہے اگرچہ کہ سمندر کو کوزے میں سمیٹا نہیں جا سکتا لیکن جتنا ہم سے ممکن ہے ہم تھوڑی بہت حد تک عاشورا کے واقعات سے آشنا ہو سکتے ہیں، ہم نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا ہے۔ ایک لرزتا ہوا قدم ایک بڑی عظمت کی طرف ہمیں مہلت دیجئے کہ اس عظیم اور تاریخی دن کے بارے میں جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے ہم اس کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں پیش کر سکیں۔ اس کتاب کی ابتدائی چند فصلیں لکھی جا چکی ہیں۔

اب ہم عاشورا کے بعد کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

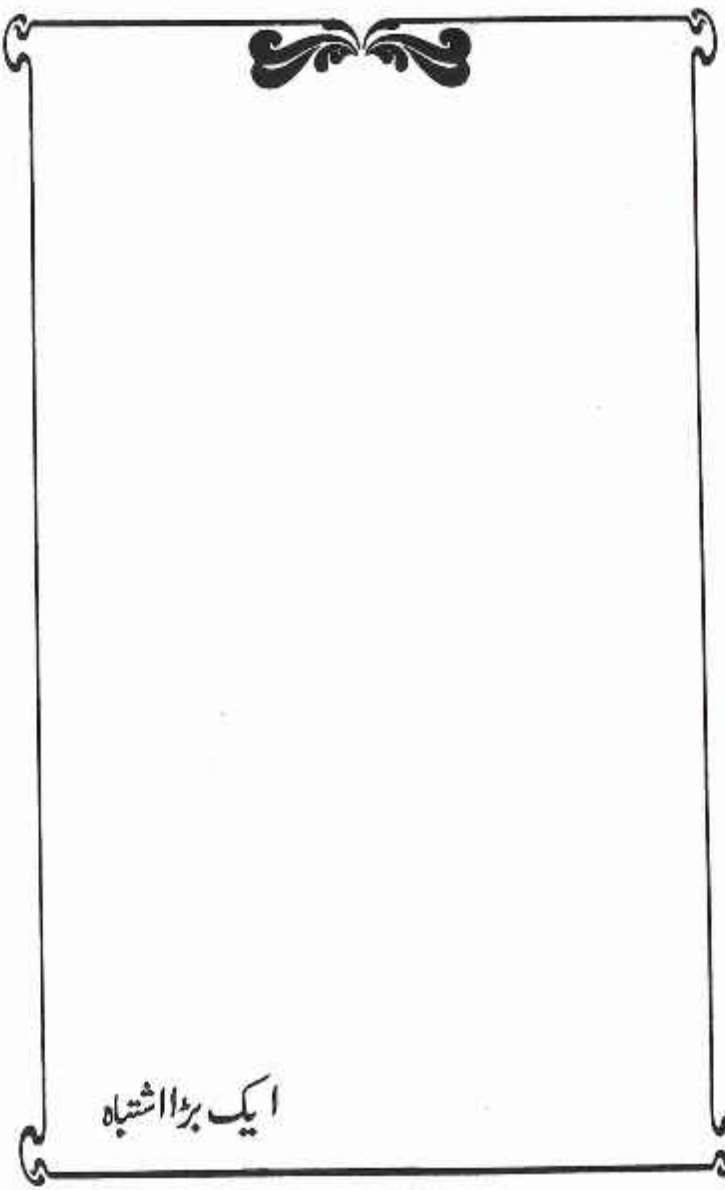
ایک بڑا اشتباہ

حسین علیہ السلام سے جنگ کرنا ایک بہت بڑا اشتباہ تھا۔

ان کے اہلِ بیت کو قیدی بنانا اور وہ بھی ایسے رقتِ آمیز انداز میں اس سے بھی بڑا اشتباہ تھا۔

اگر اس شہادت کے بعد یہ حرم قیدی نہ بنائے جاتے تو شاید اموی حکومت کے ارکان پر اتنی جلدی لرزہ طاری نہیں ہوتا اور انقلاب کا دامن اس حد تک ہر جگہ پھیل نہ جاتا۔

ابن زیاد واقعۂ عاشورا سے پہلے تک کے مرحلوں میں کامیاب رہا۔ وہ کوفہ کے عوام کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کرنے میں کامیاب رہا۔ اپنی بے رحمی سے بھرپور دھمکیوں اور اپنی جلاّد صفت حرکات کے ذریعے اس نے انقلاب کی آگ کو بجھا دیا۔

اپنی ماہرانہ تدبیروں کے ذریعے اسے یہ کامیابی بھی نصیب ہوئی کہ اس نے لوگوں کے دلوں سے حسین علیہ السلام کی طرف داری چھین لی اور اس کی جگہ اس نے لوگوں کو حسین علیہ السلام سے جنگ پر مجبور کر دیا۔ انہیں لوگوں کے ذریعے اس نے تاریخ کی سب سے بڑی مصیبت عاشورا کے دن کھڑی کر دی۔

انہیں مسلسل کامیابیوں نے اسے آخر کار مغرور بنا دیا۔

اس غرور نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔

وہ اپنے خیال کے مطابق چاہتا تھا کہ حسین ابن علی علیہ السلام کے بچے کھچے قافلے کو اور ان کے اہلِ بیت کو کوفہ اور وہ بھی قیدی بنا کر سرِ بازار گھمائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ مزید اپنا رعب اور دبدبہ ظاہر کرے تاکہ جن کے دل میں مخالفت کا خیال بھی ہو وہ بھی اپنی جگہ پر دبک کر بیٹھ جائیں۔

وہ چاہتا تھا کہ اس طرح لوگوں کو باور کرادے کہ جو بھی اموی حکومت کے خلاف قیام کرے گا۔ اس کا اور اس کے گھر والوں کا انجام یہی ہوگا۔ جو بھی یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرے گا ـــــ اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔

اس غلط فہمی اور خیالِ خام کی بنیاد پر اس نے حکم دیا کہ حسین ابنِ علی علیہ السلام کے بچے کھچے اہلِ حرم کو کربلا سے کوفہ لایا جائے اور قیدیوں کی حالت میں انھیں کوچہ و بازار میں گھمایا جائے۔

ابن زیاد اپنی مسلسل کامیابیوں کے نشے میں مست تھا۔ اسی مستی کے عالم میں اسے یہ سجھائی نہ دیا کہ لوگوں کے دلوں پر اس کا حقیقی ردِ عمل کیا ہوگا۔ وہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس طرح ان کے جذبات اور ابھریں گے۔

اس نے لوگوں کی عقل کے فیصلے کو دبانے میں تو کامیابی حاصل کرلی تھی۔ اب وہ خیال کررہا تھا کہ وہ ان کے بپھرے ہوئے جذبات پر بھی فتح حاصل کر لے گا۔

عاشور سے پہلے کوفیوں کا انقلاب عقل کے فیصلے کے مطابق تھا۔ ان کی عقل کہتی تھی کہ یزید خلافت کا حقدار نہیں ہے' ان کی عقل یہ حکم دیتی تھی کہ خلافت کا مسلّم حق حسین علیہ السلام جیسے باصلاحیت انسان کا ہے۔ عقل کی اس روشن فکری کے سبب انھوں نے حسین اِبن علی علیہ السلام کی طرف داری میں قیام کیا تھا۔

اگرچہ کہ عقل میں حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت بہت ہے' لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ انسان میں عقل کے فیصلے کے مطابق کام کرنے کی قوت بہت کم ہے۔

اس لئے لوگوں کو آسانی سے عقل کے حکم کی تعمیل سے باز رکھا جاسکتا ہے۔ پہلے مرحلے میں ابن زیاد لوگوں کی عقل کے روبرو تھا۔

اسی لئے وہ جلد ہی لوگوں کی آواز کو دبانے میں کامیاب ہوگیا۔ لوگ جو اپنی عقل کے مطابق مظاہرے کررہے تھے وہ آسانی سے دبا دیئے گئے۔

لیکن کیا عوام کے بپھرے ہوئے جذبات کو بھی دبایا جاسکتا ہے؟

ابن زیاد نے اس بات پر پہلے سے غور نہیں کیا تھا کہ حسین علیہ السلام کے بچے کھچے خاندان کو قیدیوں کے سے انداز میں کوفہ میں گھمانے سے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اور ان کے احساسات مشتعل ہوجائیں گے۔

وہ دل کے بھڑکے ہوئے جذبات کے زبردست اثر سے ناواقف تھا۔ اسے انسان کے دلی جذبات کی قوت کا اندازہ نہ تھا۔

اسی وجہ سے اس نے یہ حکم دے دیا کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی ماندہ لوگوں کو کربلا سے کوفہ قیدی بناکر لایا جائے۔

اسیروں کا قافلہ

کوفہ ابھی نیند سے بیدار ہوا ہی تھا۔

بارہ محرم کی صبح تھی۔

ہر طرف شہر میں فوج کا پہرہ تھا۔ سورج غم آلود حالت میں آہستہ آہستہ افق سے اپنا سر باہر نکال رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ باہر نکلنا نہیں چاہتا اور آج کے رلا دینے والے منظر کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

بہرحال وہ غبار کی چادر اوڑھے غمگین صورت لئے ہوئے افق سے اوپر نکل ہی آیا۔

ایک اُڑے اُڑے سے رنگ نے شہر کو روشن کردیا۔

لوگ گلیوں میں نکلنا شروع ہوگئے تھے۔ سب کا رخ ایک ہی طرف تھا۔ سب مضطرب اور منتظر نظر آرہے تھے۔

سب شہر کے دروازے کی طرف چلے جارہے تھے۔

ڈھنڈورچی نے اعلان کیا تھا کہ صبح صبح قیدیوں کو شہر لایا جارہا ہے۔ شہر کے دروازے کے پیچھے لوگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن دروازہ ابھی تک کھلا نہیں تھا۔

لوگوں کی آنکھیں دروازے پر لگی لگی تھک گئی تھیں۔ وہ ہر لحظہ منتظر تھے کہ کب ابن زیاد کی طرف سے دروازہ کھولنے کا حکم صادر ہوتا ہے اور کب قیدی اندر داخل ہوتے ہیں۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ فوجی عوام پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بے رحمی

سے ادھر ادھر کرنے لگے۔ لوگوں کے درمیان ایک چوڑی گلی کا راستہ صاف ہو گیا۔ یہ راستہ شہر کے دروازے تک جاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قیدی اس راستے سے گزرنے والے تھے اور دارالامارہ میں ابن زیاد کے دربار میں پہنچنے والے تھے۔ لوگوں کا انتظار اپنی شدت کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ وہ ہیجان میں مبتلا ہو رہے تھے۔

لیکن عوام کی اکثریت کو اصل واقعہ کی خبر نہ تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ دروازے کے دوسری طرف کون لوگ ہیں اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

یزید اور ابن زیاد کے ڈھنڈورچیوں نے حسین علیہ السلام کے نام کا اعلان نہیں کیا تھا۔

صرف یہ ڈھنڈورا پیٹا تھا کہ ایک شخص نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ خلیفہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حکومت کے سپاہیوں نے اسے کربلا کے مقام پر قتل کر دیا ہے اور اب اس کے بچے کھچے ساتھی قیدی بنا کر کوفہ میں لائے جا رہے ہیں۔

اس لئے یہ بات اکثر لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ یہ قیدی کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ لوگ کون ہیں۔

آخر کار دروازہ کھولنے کا حکم صادر ہوا۔ بڑے بڑے پھاٹک کے پٹ اپنی اپنی چولوں میں انتہائی غم انگیز آواز کے ساتھ گھومنے لگے۔

ایک عجیب اور ناقابلِ یقین منظر لوگوں کو دکھائی دیا۔

جذبات کو بھڑکا دینے والا منظر تھا۔ ایک مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ قافلہ

ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

وہ ایک ایسا قافلہ تھا جو عورتوں اور بچوں پر مشتمل تھا۔ ان عورتوں اور بچوں کے ساتھ صرف ایک مرد تھا اور وہ بھی زرد چہرے اور بیمار بدن کے ساتھ۔

ان قیدیوں کی آنکھوں کے سامنے کچھ نیزے تھے۔ سپاہیوں نے شہدا کے سروں کو ان نیزوں پر اٹھا رکھا تھا۔

ان سروں کے درمیان چھوٹے سر بھی نظر آرہے تھے جو ستاروں کی طرح چمک رہے تھے اور لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑکا رہے تھے۔

یہ چھوٹے چھوٹے سر جنت کے پھولوں کی طرح نیزوں پر چمک رہے تھے۔

یہ ان بچوں کے سر تھے جنھوں نے کربلا میں اپنی جان فدا کردی تھی اور حسین ابن علی علیہ السلام کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔

اس رقت انگیز منظر نے دلوں کو لرزا دیا۔ لوگوں پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ ان نیزہ لئے ہوئے سپاہیوں کے پیچھے لوگوں نے ایسے بچوں کو دیکھا کہ دھوپ نے جن کے رنگ کو جلا دیا تھا۔ ان کے معصوم چہروں پر غم و اندوہ کے آثار نے لوگوں کو رنجیدہ کردیا تھا۔

لوگوں نے ایسی جوان عورتوں کو بھی دیکھا جن کے عزیزوں کے داغ نے انہیں بوڑھا بنا دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کی حالت ان کے گہرے غم کی کہانی بیان کر رہی تھی۔

یہ سب عورتیں اور بچے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کئے گئے تھے' قافلہ شہر کے دروازے میں داخل ہوگیا تھا۔

سب لوگوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ قافلہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کی حالت بھی بگڑتی جا رہی تھی۔

وہ لوگ جو محض قیدیوں کا تماشا دیکھنے آئے تھے' وہ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیم جان قیدیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے اپنے حافظے پر زور دے رہے تھے۔

ان کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان چہروں کو پہلے کبھی دیکھا ضرور ہے۔ ایک دن زینب علیہا السلام آخر اسی شہر میں ملکۂ اسلام تھیں اور خلیفۂ وقت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔

سب لوگ علی علیہ السلام کی اولاد کو پہچانتے تھے۔ ان کے پاس جاتے آتے تھے۔

علی علیہ السلام کے زمانے کی یادوں نے رفتہ رفتہ سب لوگوں کو تڑپا دیا۔ غم اور مصیبت کے بادلوں کے پیچھے انھوں نے اولادِ علی علیہ السلام کے چہروں کو پہچاننے کی کوشش کی۔ سب نے جان لیا کہ یہ پاک اور معصوم چہرے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بیٹے حسین علیہ السلام کے اہلِ بیت کے ہیں۔ یہ اسی حسین علیہ السلام کا گھرانہ اسیر بن کر آیا ہے جس حسین علیہ السلام کو خود انھوں نے دعوت دی تھی لیکن پھر ان کو دشمن کے حوالے کر دیا تھا اور اس طرح وہ قتل ہو گئے۔

قافلہ کا رقت طاری کر دینے والا منظر ایک طرف اور دوسری طرف قیدیوں کو پہچان لینا اس بات کا سبب بنا کہ لوگوں کے جذبات انتہائی شدت سے بھڑک اٹھے۔

وہ جذبات کی شدید کیفیت میں مبتلا ہوگئے۔ ایک بہت بڑی پشیمانی، ندامت اور حسرت نے انھیں گھیر لیا تھا۔ ان کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

رفتہ رفتہ سب آنکھیں رونے لگیں۔ ہر سینے سے آہ وزاری کی صدا بلند ہونے لگی۔ یہ صدا اتنی زبردست تھی کہ کوفہ کے در و دیوار پر لرزہ طاری ہو گیا۔

اب یہ زینب علیہا السلام کا کام ہے کہ وہ اس موقع سے استفادہ کریں اور عوام کے بھڑکے ہوئے جذبات میں اور جان پیدا کردیں اور پھر ان دلی جذبات کے ذریعے یزید اور ابن زیاد کا خاتمہ کردیں۔

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے؟

"حیف ہے تم پر"

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کس لخت جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے؟

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کس مقدّس خون کو زمین پر بہایا ہے؟

"کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کن پردہ نشینوں کے سروں سے چادر چھین لی ہے؟"

"آہ....."

آہ، تم لوگ کتنے بڑے حادثے کا سبب ہو .....یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ نزدیک ہے کہ آسمان ٹوٹ کر گر پڑے اور زمین پھٹ جائے ـــــ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں.....

"تم لوگوں کے اس گناہ کی تاریکی پورے آسمان اور پوری زمین پر چھائی

ہوئی ہے..... کیا تم کو تعجب ہوگا؟"

کیا تم کو تعجب ہوگا اگر اس گناہ کے اثر میں آسمان سے خون کی بارش ہونے لگے؟

زینب علیہا السلام اسی طرح اپنی تقریر کررہی تھیں۔ اسی طرح اپنے خطبہ کے ذریعے لوگوں کے سینوں میں بھڑکی ہوئی آگ کو اور تیز کررہی تھیں۔

حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد انہوں نے اپنا تاریخی خطبہ یہاں سے شروع کیا تھا:

اے کوفہ کے لوگو! اے مکار فریبیو!

ہم پر تم آنسو بہا رہے ہو! ہماری خاطر گریہ و زاری کر رہے ہو، رو رہے ہو، خدا کرے کہ تمہاری آنکھوں کے یہ آنسوں کبھی نہ تھمیں۔

گریہ کررہے ہو، خدا کرے کہ تمہارا یہ گریہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے۔

تم لوگ رسی کے ان ریشوں کی طرح ہو جنھیں بہت مشکل سے ملا کر رسی کی شکل میں یکجا کیا جاتا ہے لیکن انہیں اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ فوراً اپنی اصلی حالت میں واپس آجاتے ہیں اور الگ الگ ہوجاتے ہیں۔

تم نے بھی عہد کیا تھا۔ وعدہ کیا تھا۔ ایمان کے رشتے سے ایک دوسرے سے منسلک ہوگئے تھے لیکن آخر میں تم ظالموں کی دھمکیوں میں آکر اپنے عہد و پیمان کو بھول بیٹھے، آپس میں ایمانی رشتے کو توڑ دیا اور کفر کی طرف واپس چلے گئے۔

"آہ..... کتنے برے لوگ ہو تم!

تمہیں ڈینگیں مارنے اور اپنی تعریف خود کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔

تمہارا سرمایہ مکر ہے' فریب ہے' دشمنی اور جھوٹ ہے۔ کتیروں کی طرح تم چغل خور ہو۔ خود کو دوست ظاہر کرتے ہوئے بھی دشمنوں کے سے کام کرتے ہو اور دھوکہ دیتے ہو۔

"کیا تم لوگ انسان ہو؟ کیا تمہیں انسان کہا جا سکتا ہے؟"

نہیں ہرگز نہیں ۔۔۔ تم اس گھاس پھوس کی مانند ہو جو کوڑے کچرے پر اگ گئی ہو۔ شکل میں دوسری گھاس جیسی ہو لیکن جسکا وجود کوڑے کچرے اور گندگی سے تیار ہوا ہو۔ جسکا چہرہ سبز تو ہو لیکن جس کی رگوں میں پلید خون دوڑ رہا ہو۔

"یا پھر تم لوگ اس چاندی کی مانند ہو جو کسی قبر کی آرائش کے لئے استعمال کی جاتی ہو۔"

آہ..... تم لوگوں نے آخرت کے لئے کیا توشہ فراہم کر لیا ہے۔ خدا کے غضب کو خرید لیا ہے۔ اپنے لئے ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔

"تم لوگوں نے خاندانِ نبوت کو بکھیر دیا ہے۔ آلِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر تلوار چلائی ہے اور اب ہم پر رو رہے ہو اور گریہ وزاری کر رہے ہو۔"

"ہاں رولو۔ گریہ وزاری کرلو۔ تم ہی اس گریہ وزاری کے لئے زیادہ مناسب ہو"

تم نے ہمیشہ کے لئے اپنے دامن پر ننگ کا دھبہ لگا لیا ہے۔ ایسا ننگ و عار جو کسی بھی قسم کے پانی سے دھویا نہیں جاسکتا۔ جو کسی بھی طریقے سے دور نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے اپنے ناپاک ہاتھوں سے کس کو قتل کیا ہے۔ کس کے نازنین وجود کو خاک و خون میں غلطاں کر کے چھوڑ دیا ہے"

"وہ حسین علیہ السلام کا وجود تھا۔ حسین ابن علی علیہ السلام جگر گوشۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جنت کے جوانوں کے سردار کا وجود تھا۔"

اور اس گناہ کی، اتنے بڑے گناہ کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے۔ وہ نیک لوگوں کی پناہ تھے۔ پیشواء اور امام تھے۔ یہ حسین علیہ السلام ہی تھے کہ جو بھی بلا آتی تھی تو تم ان کی پناہ میں چلے جاتے تھے۔ وہ تمہارے استاد اور معلم تھے تم نے دین انھیں سے سیکھا تھا۔ احکام شریعت انہیں سے حاصل کئے تھے۔

آہ..... تم لوگ کتنے بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو! آخرت کے لئے کتنا بڑا بوجھ تم لوگوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔

"برا ہو تمہارا۔ اے کوفیو..... ہلاکت تمہارے لئے سستی ہو جائے، اے خیانت کرنے والو..... حسرت اور ناامیدی تمہارا مقدر ہو، اے اہل مکر و فریب ..... تم کچھ کرنے کے قابل نہ رہو، اے حسین علیہ السلام کے قاتلو!!.....

"تم پر افسوس ہے"

"تم نے خدا کے غضب میں غوطہ لگا دیا ہے، ذلت اور رسوائی تمہیں گھیرے ہوئے ہے۔

"کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے؟

"کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے رسولِ خدا کے کس لخت جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے؟"

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نے کن پردہ نشین خواتین کے سروں سے چادر چھین لی ہے؟

آہ! کتنا بڑا حادثہ تمہارے سبب سے ہوگیا ہے!

"ایسا حادثہ کہ جس کی عظمت دیکھ کر قریب ہے کہ آسمان گر پڑے اور زمین شگافتہ ہو جائے۔ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں۔

"تمہارے گناہ کی تاریکی پورے آسمان اور پوری زمین پر چھائی ہوئی ہے"

"کیا تم تعجب کروگے؟ کیا تم تعجب کروگے اگر اس گناہ کے نتیجہ میں آسمان سے خون برسنے لگے؟"

"انتظار کرو۔ بہت بڑے اور ہمیشہ کے عذاب کا انتظار کرو' ادھر آخرت کا ہولناک عذاب تمہارا انتظار کررہا ہے' دنیا کے عذاب سے زیادہ وہاں آخرت کا عذاب ہے۔"

"دو دن کی دنیا کی مہلت سے خوش اور مغرور نہ ہو جانا۔ اگرچہ کہ خدا اپنے بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا لیکن وہ بھولتا بھی نہیں ہے۔ خدا ضرور انتقام لے گا۔ کسی بھی گناہ گار کو سزا دیئے بغیر وہ نہیں چھوڑے گا۔ ہاں' خدا گناہ گاروں پر اپنی نظر رکھے ہوئے ہے۔"

پورا کوفہ لرز اٹھا' تلاطم بپا ہوگیا' دل مضطرب اور پریشان ہوگئے۔ شرم اور شرمندگی بڑھ گئی۔ لوگ پانی پانی ہوئے جارہے تھے اور وہ پانی آنسوؤں کے سیلاب کی صورت میں انکی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔

لکھتے ہیں کہ جب زینب علیہا السلام نے خطبہ ختم کیا تو لوگ حیرت اور دہشت میں مبتلا ہوگئے۔ وہ آنسوؤں کو بہا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں کو دانتوں

سے کاٹ رہے تھے اور اپنے کئے پر سخت پشیمانی کا اظہار کر رہے تھے۔

زینب علیہا السلام نے اپنے زبردست خطبہ سے پردوں کو ہٹادیا اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور بے خبری کے پردے چاک کردیئے۔ ان کے اتنے بڑے گناہ سے انہیں آخرت کے ہولناک عذاب کی یاد دلائی۔

آخر زینب علیہا السلام کو حسین علیہ السلام کے مشن کے تیسرے مرحلے پر عمل کرنا تھا۔

حسین علیہ السلام نے عاشورا کے واقعے کے ذریعہ' اپنی عظیم قربانی کے ذریعہ' اپنی بے مثال اور ہیجان انگیز جانبازی کے ذریعے' زینب علیہا السلام کو ایک موثر ترین بنیاد فراہم کردی تھی۔

اب یہ زینب علیہا السلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اس کی تشہیر کریں۔ اس کے متاثر کردینے والے واقعات بتا کر' اس قربانی کی عظمت بتا کر لوگوں کی فکروں میں ایک تلاطم برپا کردیں۔ اموی خاندان کے خلاف نفرت کو ابھاریں۔ حسین ابن علی علیہ السلام کی شہادت اور انکے قتل کو بنیاد بنا کر مسلسل اپنی آہ وزاری سے پورے اسلامی معاشرے میں انقلاب برپا کردیں۔

یزید اور یزیدیوں "یعنی حادثہ کربلا کا سبب بننے والوں" کے سیاہ اور تنگین باطن کو لوگوں کے سامنے عیاں کردیں۔

اسی خطبہ اور خطاب کے ذریعے زینب علیہا السلام نے یزید کی حکومت پر اپنا سب سے پہلا حملہ کیا اور اسی لاثانی خطبہ کے ذریعے انہوں نے اموی حکومت کے پیکر پر سب سے پہلی سخت ضرب لگائی تھی۔

وہ تو کوفہ تھا۔ جوش و خروش اور انقلاب کا گڑھ ۔ وہ ایک ایسا شہر تھا کہ ہر انقلاب کی ابتداء وہیں سے ہوتی تھی۔ وہاں کے لوگ واقعات کی جستجو کرنے والے تھے اور بہت حساس تھے وہ بہت جلد بپھر جاتے تھے لیکن بہت جلد ٹھنڈے بھی ہوجاتے تھے۔

انھوں نے جب مسلم کو نمائندۂ حسین علیہ السلام کی حیثیت سے دیکھا تو گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اپنے ابھرے ہوئے جذبات اور احساسات کے مطابق ان کی پزیرائی کی لیکن جب نمائندۂ یزید' ابن زیاد کی دھمکیوں نے انہیں ڈرایا تو وہ جلد ہی ٹھنڈے پڑگئے اور مسلم کو تن تنہا چھوڑ دیا اور انھیں موت کے منہ میں جانے دیا۔ یہ کوفہ کے لوگوں کی فطرت اور طبیعت تھی۔

اب یہ زینب علیہا السلام کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ابھرے ہوئے جذبات سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ اپنی گرما گرم باتوں سے ان کے احساسات کو مزید ابھارا جائے اور ایک عظیم انقلاب کی راہ ہموار کی جائے۔

ابن زیاد کی ایک بہت بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے اسیروں کے قافلے کو اور وہ بھی ایسی رقت آمیز حالت میں کوفہ لے آنے کا حکم دے دیا اور متاثر کردینے والا وہ منظر لوگوں کو دکھا دیا۔

قافلہ کا وہ منظر ہی متلوّن مزاج اور جلدی اثر قبول کرنے والے کوفیوں کو جوش دلانے کے لئے اور ایک عظیم انقلاب کی بنیاد ڈالنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن زینب علیہا السلام پوری طرح بیدار اور ہوشیار تھیں وہ وہاں کے لوگوں کی طبیعت کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس حساس موقعہ سے لازماً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس لئے جیسے ہی انھوں نے کوفیوں کو دیکھا'

غفلت میں پڑے ہوئے لیکن حساس اور جلدی اثر قبول کرنے والے لوگوں کو دیکھا تو فوراً خطبہ دینا شروع کردیا۔ ان کی تقریر میں بجلی جیسی کڑک تھی اور زور تھا۔ اس سے لوگوں کے ہیجان میں اضافہ ہوگیا۔ لوگوں کے احساسات و جذبات ' انقلاب اور طغیانی کی حد تک بڑھ گئے اور یزید کی فاسد حکومت کے ارکان پر لرزہ طاری ہوگیا۔

کھوکھلی قوت

کوفہ میں جوش پیدا ہوگیا تھا۔ ایک تلاطم پیدا ہوگیا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں سے ندامت اور حسرت کے آنسو سیلاب کی طرح بہہ رہے تھے۔

مگر یہ بڑا گناہ آنسو بہانے سے دھل نہیں سکتا۔

نہیں'

یہ ننگ کا دھبہ جو کہ ہمارے دامن پر' ہم کوفیوں کے دامن پر لگ گیا ہے وہ آنسوؤں سے دور نہیں ہوسکتا۔ آخر ہم ہی نے حسین علیہ السلام کو دعوت دی تھی۔ آخر ہم نے ہی حسین علیہ السلام کو بلایا تھا لیکن بعد میں ہم پھر گئے تھے۔ ہم ابن زیاد کی دھمکیوں سے مرعوب ہوگئے تھے اور پھر ہم ہی نے انتہائی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے عزیز مہمان کو دشمن کے حوالے کردیا تھا۔

پس خون ہی خون کو دھو سکتا ہے۔ خون ہی اس خون کی تلافی کرسکتا ہے۔

زینب علیہا السلام کا خطبہ تو ختم ہوگیا لیکن لوگوں کے جذبات اور احساسات کو ابھار گیا۔ لوگوں کو انقلاب پر آمادہ کرگیا۔

زینب علیہا السلام لوگوں کے جذبات کو ابھارنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اموی حکومت کے لوگ شدید مخالف ہوگئے لیکن ابھی زینبؑ کی ایک اور ذمہ

داری باقی ہے۔ ابھی لوگوں پر یہ ثابت کرنا باقی ہے کہ دشمن کے پاس جو ظاہری طاقت ہے' یہ کھوکھلی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے اس طاقت کا رعب ختم کردینا ہے۔ ہیبت لوگوں کے دلوں سے نکال دینی ہے۔

ابن زیاد کی دھمکیوں سے کوفہ کے لوگ بہت مرعوب ہوجاتے تھے اور جو وہ چاہتا تھا ویسا کام کرلیتے تھے۔ اس کی کھوکھلی ہیبت نے لوگوں کو سخت خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اب یہ زینب علیہا السلام کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کے جذبات اور احساسات کو ہوا دینے کے بعد ابن زیاد کی ہیبت کے پردے کو بھی چاک کردیں اور لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت اور خوف کو نکال دیں۔

ان کے جذبات کے سیلاب کے آگے بندھے ہوئے اس کھوکھلے بند کو توڑ کر بتادیں۔

وہ ابن زیاد کے دربار میں جاتی ہیں۔

لیکن کس انداز سے جاتی ہیں؟

یہ زینب علیہا السلام نہیں تھیں کہ جنہوں نے دربار میں قدم رکھا تھا۔ بلکہ یہ سراپا قدرت و عظمت تھی۔ یہ یکسر سنجیدگی اور متانت تھی کہ جس نے ابن زیاد کے دربار میں بڑے شان سے قدم رکھا۔

ابن زیاد دربار میں اوپر کے حصے میں بڑی شان سے کرسی پر' اپنی طاقت کے تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

وہ فتح کے نشے میں چور چور تھا۔

امراء' بزرگان' درباری اور بڑے بڑے لوگ سب دربار میں سرجھکائے

اپنے آپ کو ابن زیاد کے آگے حقیر سمجھے ہوئے بیٹھے تھے۔

ایسے میں زینب علیہا السلام دربار میں وارد ہوتی ہیں۔

ابن زیاد کا خیال تھا کہ کربلا کے اتنے دکھ بھرے واقعات اور وہاں کے اتنے مصائب نے بڑی حد تک زینب علیہا السلام کو مرعوب کردیا اور سہما دیا ہوگا لیکن اس کی توقع کے خلاف اس نے دیکھا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بیٹی اس کی طرف ذرا بھی توجہ دیئے بغیر اور اس کا ذرا بھی احترام کئے بغیر دربار میں آجاتی ہیں۔

زینب علیہا السلام کا اس شان سے آنا دربار میں مجسمہ کی طرح بیٹھے ہوئے لوگوں کو چونکا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ تو ابن زیاد کے جلال و جبروت سے مرعوب ہوئے بیٹھے تھے۔

ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ ابن زیاد کے دربار میں بھی کوئی اس شان سے وارد ہو سکتا ہے!

سب سے پہلے خود ابن زیاد اس بات کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ چلایا:

یہ عورت جو اتنی گستاخی سے وارد ہوئی ہے کون ہے؟

سب خاموش رہے، جیسے سب کو موت آگئی ہو۔ پھر دوبارہ ابن زیاد کی آواز بلند ہوئی:

"کون ہے یہ عورت؟"

پھر بھی خاموشی طاری رہی۔

سب کے رنگ اڑ گئے تھے۔ سب کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ درباری لوگ ایسی بھیڑوں کی مانند ہو گئے تھے جن کے سامنے درندہ بھیڑیا بپھرا

ہوا ہو۔ وہ اپنے سر جھکائے ہوئے اور سانس روکے بیٹھے تھے لیکن یہ خاموشی زیادہ عرصہ باقی نہیں رہی۔

قیدی لیکن بہادر اور حکومت کا تختہ الٹ سکنے والی خاتون نے کہا:

ابن زیاد! یہ میں زینبؑ ہوں۔

علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیٹی۔

دخترِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی۔

ابن زیاد جو سخت غصے کے عالم میں تھا اس نے زینب علیہا السلام کو مخاطب کیا اور سخت الفاظ زبان پر لے آیا۔

لیکن زینب علیہا السلام کا ہدف اور مقصد ابن زیاد کے رعب داب کو کھوکھلا ثابت کرنا تھا۔ انہوں نے بھی اسی انداز میں جواب دیئے ایسے شاندار انداز میں بات کی کہ ابن زیاد کی قدرت و طاقت پر لرزہ طاری ہو گیا اور دربار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس ختم ہو گیا۔

زینبؑ کی یہی ہوشمندانہ کاروائیاں تھیں ۔ جنھوں نے آخرکار لوگوں کو یزیدی حکومت کے خلاف اتنا بھڑکایا کہ اسلامی معاشرہ میں ایک زبردست انقلاب وجود میں آگیا۔ ایک ایسا انقلاب کہ جس کے نتیجہ میں یزید کی حکومت متزلزل ہو گئی اور اس کی حکومت کا محل مسمار ہو گیا۔

کسی قوم کی قدر و قیمت اور خدمات جاننے کا پیمانہ اُسکی تصانیف و تالیفات ہیں

ادارہ کی مطبوعات

- کتاب المومن
- درس قرآن
- مکتب تشیع اور قرآن
- مذہب اہل بیتؑ
- فلسفہ امامت
- تعلیم دین سادہ زبان میں (چار جلد)
- آسان عقائد (دو جلد)
- شیعیت کا آغاز کب اور کیسے
- ہمارا پیام
- آزمائش
- اہل بیتؑ کی زندگی۔ (مقاصد کی ہم آہنگی زمانہ کی نیرنگی)
- صدائے حضرت سجادؑ
- آمریت کے خلاف ائمہ اطہارؑ کی جدوجہد
- عزاداری۔ احیاء امر ائمہؑ
- تفسیر عاشورا
- انقلاب حسینؑ
- حسینؑ شناسی
- پیام شہیداں
- عاشورا اور خواتین
- عورت پردے کی آغوش میں
- آسان مسائل
- مادیت و کمیونزم
- عوامی حکومت یا ولایت فقیہ
- آئین وہابیت
- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
- ۲۰ جواب
- عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
- حضرت محمدؐ
- حضرت فاطمہؑ
- حضرت علیؑ
- حضرات حسنینؑ
- حضرت امام زین العابدینؑ
- حضرت امام محمد باقرؑ
- حضرت امام جعفر صادقؑ
- حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
- حضرت امام علی رضاؑ
- حضرت امام محمد تقیؑ
- حضرت امام علی نقیؑ
- حضرت امام حسن عسکریؑ
- حضرت امام مہدیؑ
- اسلامی اتحاد مسلک اہل بیتؑ کی روشنی میں
- دعائے افتتاح

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

کسی قوم کی قدر و قیمت اور خدمات جاننے کا پیمانہ اُسکی تصانیف و تالیفات ہیں

گرانقدر مطبوعات

- کتاب المومن
- درس قرآن
- مکتب تشیع اور قرآن
- مذہب اہل بیتؑ
- فلسفۂ امامت
- تعلیم دین سادہ زبان میں (چار جلد)
- آسان عقائد (دو جلد)
- شیعیت کا آغاز کب اور کیسے
- ہمارا پیغام
- آزمائش
- اہل بیتؑ کی زندگی۔ (مقاصد کی ہم آہنگی زمانہ کی نیرنگی)
- صدائے حضرت سجادؑ
- آمریت کے خلاف ائمۂ اطہار کی جدوجہد
- عزاداری۔ احیاء امر ائمہؑ
- تفسیر عاشورا
- انقلاب حسینؑ
- حسینؑ شناسی
- پیام شہیداں
- عاشورا اور خواتین
- عورت پردے کی آغوش میں
- آسان مسائل
- مادیت و کمیونزم
- عوامی حکومت یا ولایت فقیہ
- آئین وہابیت
- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
- ۲۰ جواب
- عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
- حضرت محمدؐ
- حضرت فاطمہؑ
- حضرت علیؑ
- حضرات حسنینؑ
- حضرت امام زین العابدینؑ
- حضرت امام محمد باقرؑ
- حضرت امام جعفر صادقؑ
- حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
- حضرت امام علی رضاؑ
- حضرت امام محمد تقیؑ
- حضرت امام علی نقیؑ
- حضرت امام حسن عسکریؑ
- حضرت امام مہدیؑ
- اسلامی اتحاد، مکتب اہل بیتؑ کی روشنی میں
- دعائے افتتاح